سندھ کا المیہ

زبیدا حمد

نگارشات
۱۸، اے مزنگ روڈ، لاہور

سندھ کا المیہ

زبید احمد فردوسی

نگارشات
۱۸ اے مزنگ روڈ لاہور

ناشر:- آصف جاوید
نگارشات۔ لاہور

مطبع:- ایچ۔ وائی پرنٹرز
۲۰/۱ ریٹی گن روڈ۔ لاہور

قیمت:- دس روپے

سندھ کا المیہ

سندھ کی موجودہ صورت حال اور اس خطے میں بڑھتی ہوئی معاشی، سیاسی، اور ثقافتی کشمکش اب ایک ایسے نازک موڑ پر پہنچ چکی ہے جہاں سے تاریخ کا ایک نیا المناک باب شروع ہو سکتا ہے یہاں کی کیفیت ایک ایسے آتش فشاں پہاڑ کی ہے جس میں اندر ہی اندر لاوا پک رہا ہے اور کسی بھی نازک لمحے پر دھماکہ خیز صورت اختیار کر سکتا ہے سندھ کی فضا کو ایسی صورت حال سے دوچار کرنے میں کن عوامل نے بالخصوص اور کن عوامل نے بالعموم اپنا کردار ادا کیا ہے اس کا تجزیہ کئے بغیر نہ تو ہم یہاں کی صورت حال کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہم کسی ایسے نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ جو ہمارے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے مسائل کا حل تلاش کرنے میں مددگار ثابت ہو سکے۔

تاریخی پس منظر

سندھ کے موجودہ حالات کو واضح کرنے اور سمجھنے کے لئے ہمیں تاریخی پس منظر کو سامنے رکھنا پڑے گا اور اس کی راہنمائی سے ہم جو نتیجہ اخذ کریں گے وہی ہمارے موجودہ حالات کو سمجھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ سندھ انسانی تہذیب و تمدن کے ابتدائی دور میں بھی ایک اہم مقام رکھتا تھا۔ آثارِ قدیمہ کی دریافتوں نے اس خطہ کو ساری دنیا میں شہرت دیدی

کہ سندھ بھی انسانی تہذیب و تمدن کے ابتدائی دور کا امین ہے مصر کی طرح سندھ کو بھی ہم دریائے سندھ کا تحفہ قرار دیتے ہیں۔ زرخیز زمین اور آبادی میں کمی کے سبب یہ باور کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہونا چاہیئے کہ اس علاقہ کے لوگ کبھی خوشحال بھی تھے۔ موہن جو ڈرو کے آثار اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قدیم سندھ کے لوگ نہ صرف خوشحال تھے بلکہ تہذیبی اعتبار سے بھی دوسری قوموں سے بہت آگے تھے۔ بدقسمتی سے سندھ کی تاریخ کو واضح اور تسلسل کے ساتھ مجتمع نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسے کوئی اہمیت دی گئی یہ صورت حال صرف سندھ تک محدود نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے متعلق یہی محسوس کیا جاتا ہے کہ یہاں یونانی تاریخ دانوں کی طرح ایسی کوئی شخصیت نہ تھی جو ہماری قدیم تاریخ کے سلسلے میں ہماری مدد کرسکے۔ اس لئے تاریخ کے طلبا اور سکالروں کے لئے بڑی اہم مشکلات درپیش رہیں سندھ تو کیا پورے ہندوستان کی قدیم تاریخ پر ہمیں ایسا مواد نہیں ملتا جو صورت حال کا صحیح پتہ دے سکے۔

سندھ ابتداء ہی سے ہندوستان کا ایک اہم حصہ رہا اور تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے سیاسی، ثقافتی اور معاشی پس منظر میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں عربوں کے حملے کے بعد سندھ پر عرب تہذیب و تمدن کی چھاپ گہری ہوتی چلی گئی اور اس علاقے کے بیشتر باشندوں نے اسلام قبول کر کے ایک نئی تہذیب و ثقافت کو اپنایا۔ اس طرح اس علاقے کو باب الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ابتدائی دور سے آزادی تک سندھ کو کبھی بھی اس حیثیت سے کوئی اہمیت یا تقدس حاصل نہ تھا۔ لیکن آزادی کے ایک مدت بعد جب سندھ میں سیاسی تضادات کو صورت حال مزید گہری ہونا شروع ہوئی تو یہ بھی یاد آیا کہ سندھ کو باب الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اس خطے نے حکومتوں کے کمال وزوال کے مختلف دور دیکھے سامراج کے آہنی شکنجوں میں پھنسنے کے بعد نہ صرف اس خطے کا جغرافیائی تقدس پامال ہوا بلکہ تہذیب و ثقافت، علم و فن

صنعت و حرفت زراعت و معیشت سبھی کچھ سامراجی مقاصد کے تابع ہوکر رہ گئے۔ برطانوی سامراج اور حکومتی پالیسی کا ایک سوچا سمجھا اصول یہ رہا تھا کہ اقلیت کو اکثریت پر فوقیت دی جائے تاکہ سامراج کے خلاف کسی بھی اٹھنے والی شورش کو آسانی سے کچلا جا سکے۔ اس اصول کے پس منظر میں سندھ میں غیر مسلموں کو برطانوی دور میں ایک خاص اہمیت حاصل ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سندھ کی معیشت پر انکی گرفت اس قدر گہری ہوگئی کہ صدیوں کا معاشی نظام مفلوج ہوگیا اور صوبے کی بیشتر آبادی ان کے رحم وکرم کی محتاج ہوکر رہ گئی ایک پرانی کہاوت جس کی بازگشت اب بھی سننے میں آتی ہے کہ " پلا مانی کھانا، سندھ چھوڑ نہ جانا "کا اطلاق سندھ کے مسلمان طبقات پر تو ضرور صادق آتا ہے مگر سندھ کی دیگر آبادیاں خاص طور پر ہندو مت کے لوگوں پر اس کہاوت کا اطلاق ممکن نہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں سندھی ہندوؤں کی نمائندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ لوگ کافی مہم جو تھے اور ان میں ترقی کی لگن بھی زیادہ تھی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سندھ کے محنت کش طبقات کو پوری طرح اپنی گرفت میں لینے کے بعد ہی سندھ کا یہ نیا بورژوا طبقہ آگے کے لئے اپنی منزلیں اور راہیں متعین کر سکا اور کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

سندھ اپنی الگ پہچان، تہذیب وثقافت، زبان وادب، تاریخ وفلسفہ، علم ودانش اور صنعت وحرفت کے باوجود ایک طویل مدت تک سامراجی عزائم کے لئے اپنی دھرتی کی قیمت ادا کرتا رہا اس کا جغرافیائی تشخص اس سے چھین لیا گیا اور سندھ کو بمبئی کے سیٹھوں اور برطانوی گماشتوں کا میدانِ کارزار بنا دیا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں برطانوی قبضہ کی ابتداء سے لیکر ۱۹۳۵ء تک سندھ نہ صرف بمبئی کا ایک حصہ بنا رہا بلکہ یہاں کے مادی وسائل کا بے رحمی سے استحصال بھی ہوتا رہا۔ اس کی پیداواری صلاحیتوں

کو بمبئی کی مارکیٹ کے رہن منت اور تابع رکھا گیا یہاں کے مادی وسائل اور صوبہ کی فطری ترقی کے رجحانات کو کچل کر رکھ دیا گیا۔

۱۹۲۰ء کی دہائی میں جب سندھ کی علیحدگی کے لئے جدوجہد نے ایک نیا رخ اختیار کیا تو سامراجی حکمران بھی اس کا نوٹس لینے پر مجبور ہوئے۔ مطالبہ آہستہ آہستہ زور پکڑنے لگا تو ملک کی سیاسی جماعتوں نے بھی اس طرف توجہ دی۔ کانگریس و مسلم لیگ دونوں ہی اب یہ مطالبہ کر رہی تھیں کہ سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے اس کی صوبائی حیثیت کو بحال کیا جائے یہاں یہ سوچ کر افسوس بھی ہوتا ہے کہ برطانوی حکمرانوں کے ۱۹۰۵ء کی صوبائی تنظیم نو کے پروگرام میں سندھ کو کوئی حیثیت نہ مل سکی۔ صوبائی تنظیم نو کا بنیادی اصول زبان یا بولی رکھا گیا تھا لیکن سندھ کے معاملے میں اس کے اطلاق سے گریز کیا گیا۔ جبکہ سندھ کی بولی کے حوالے سے اس خطے کا بمبئی سے مسلسل الحاق مفاد پرستی کی ایک اہم مثال ثابت ہوتی رہی سامراجی حکمرانوں اور بمبئی کے سیٹھوں کو گماشتوں کے مفادات کا تحفظ و فروغ سندھ کے عوام سے زیادہ عزیز تھا سندھ کے وڈیرے جاگیردار، میر اور پیر اپنی قدامت پرست ذہنیت کے سبب اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ سندھ الگ رہے یا بمبئی کے ساتھ، ان کے اپنے مفادات کو بہر حال تحفظ حاصل رہے گا۔ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی جدوجہد میں وہ طبقہ آگے بڑھا جو جدید تعلیم سے آراستہ ہو رہا تھا اور جسے یہاں کے ماحول میں متوسط طبقہ کی حیثیت حاصل ہوتی جا رہی تھی اس طبقے میں ہندو باشندوں کی اکثریت بھی تھی لیکن مسلمان بھی آہستہ آہستہ اس جدوجہد میں شامل ہونا شروع ہوئے اور آگے بڑھنا شروع کیا۔ ان کی جدوجہد کے نتیجے میں جاگیردار طبقے کو بھی کچھ ہوش آیا اور ۱۹۳۵ء کے دستور میں سندھ کو اپنا علاقائی اور قومی تشخص نصیب ہوا۔

سندھ کی آبادی کی بھاری اکثریت مسلمانوں پر مشتمل رہی۔ یہ مسلم آبادی طبقاتی بنیادوں پر دو حصوں میں منقسم تھی۔ سندھی ہاری جو اس خطے کی کثیر آبادی تھے یا چند وہ گنے چنے جاگیردار، زمیندار جنکی جاگیروں اور زمینداریوں کا لامتناہی سلسلہ اکثر ایک ضلع سے دوسرے ضلعے تک پھیلا ہوا تھا۔ ان میں ایسے بھی تھے جنہیں یہ بھی خبر نہ تھی کہ ان کی زمینوں کا کل رقبہ کیا ہے جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی ایک خاص مزاج اور ایک مخصوص کردار کو جنم دیتی ہے۔ صرف سندھ ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے ہر خطے میں جہاں جہاں یہ نظام مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا اس کے مقاصد و خدوخال ایک ہی تھے کتے اور سوٴر کی لڑائی سے لیکر اہل علم و دانش کی سرپرستی تک اس طبقے کے مزاج کا ایک حصہ رہی حکومت وقت سے وفاداری اور فرماں برداری انکی سرشت میں شامل رہی۔ سامراجی دور میں پھلنے اور پھولنے والے اس نظام میں حکومت کے لئے بڑی کشش تھی پورے ہندوستان کی کثیر آبادی کو مفلوج کر کے قابو میں رکھنے میں اس طبقے نے بڑی بھرپور مدد کی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اپنی حیثیت و اہمیت کا احساس بھی پیدا ہونے لگا۔ دوسروں کی محنت پر عیش کرنے والے اس طبقے کے پاس وقت گذاری کے لئے جب نئے مشاغل کی ضرورت پیدا ہوئی تو سیاست ان کا میدانِ عمل ٹھہرا اپنے طبقاتی مفادات کے پیش نظر اس طبقے نے کبھی بھی سامراج سے نبرد آزمائی کی پالیسی اختیار نہ کی۔ لیکن آگے چل کر جب سامراج کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی تو جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی بھی اپنے خول سے نکل کر آزادی کی علمبردار بن گئی۔ اس طرح آزادی کے بعد یہ طبقہ اپنی طاقت اثر و رسوخ دولت و ثروت کے بل بوتے پر بہت جلد ملکی سیاست پر اپنا اثر قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اس طبقے کی سماجی و معاشی زندگی کا جائزہ اس افسوسناک پس منظر کی طرف لے جاتا ہے کہ دولت کی فراوانی اور پیداواری

قوتوں پر ایک طویل مدت تک جبر وتشدد نے اس طبقے کے ذہن و کردار پر بڑے گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے جہاں ایک طرف یہ طبقہ فکری طور پر مفلوج ہو کر رہ گیا تو دوسری طرف بے رحمی ان کے مزاج و کردار کا ایک لازمی جزو بن کر رہ گئی ان کی بے رحمی کے قصے اور ان کے جبر وتشدد کے افسانے ہماری قومی تاریخ کا ایک لازمی عنصر بن گئے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سیاسی فضا اور بین الاقوامی صورت حال نے جب سامراج کو مجبور کر دیا کہ وہ ہندوستان کو اپنی غلامی سے آزاد کرے تو سامراج نے بڑی شاطرانہ چال چلی۔ ہندوستان کی قوموں کے درمیان نفرتوں کا بویا ہوا بیج ایک تناور درخت بن چکا تھا ہندو مسلم اختلافات اب ایک ایسے موڑ پر آ چکا تھا کہ مفاہمت کی گنجائش محدود تر ہو کر رہ گئی۔ آزادی ہند کی جدوجہد کامیابی کے جس قدر قریب آنے لگی نفرتوں کا لاوا اتنا ہی پھوٹتا رہا سندھ کی صورت حال اور سیاسی کیفیت بھی مختلف نہ تھی کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج نے اس خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا مسلم لیگ کا نعرہ "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" نے جلد ہی یہاں بھی اپنا اثر قائم کرنا شروع کر دیا سندھ کی سیاست و معیشت پر ہندوؤں کے غلبے کے پیش نظر اس علاقے کے مسلم بورژوا طبقات نے ہندوؤں سے نجات کا راستہ اسی تحریک میں محسوس کیا ہندوستان کے دیگر علاقوں میں ان کے نمائندوں نے مسلم ہندوستان سے پرزور اپیل بھی کی کہ انہیں سندھ کی بنیا شاہی سے نجات دلائی جائے مسلم بورژوا سندھ کے بنیا شاہی کے سودی کاروبار اور وڈیرہ شاہی کے بڑھتے ہوئے ظلم وستم سے سسکتی ہوئی کثیر آبادی کو بھی یہ امید پیدا ہو چکی تھی کہ ان کی آئندہ زندگی اور ایک خوش آئند مستقبل کی ضمانت صرف مسلم لیگ ہی دے سکتی ہے خاک و خون میں لپٹی ہوئی آزادی کی صبح ہندوستان و پاکستان کے درمیان نفرتوں کی ایک گہری

خلیج کے ساتھ نمودار ہوئی سامراج مسکراتا ہوا رخصت ہوا اور اپنے گماشتوں کو اقتدار کی باگ ڈور دے کر اپنے مفادات اور مستقبل کو پوری طرح محفوظ کر گیا۔

سامراجی دور میں تاریخ کو ایک مخصوص انداز میں دیکھا اور پرکھا گیا تاریخ کو اس انداز سے مرتب کیا گیا جس سے یہ واضح ہو سکے کہ سامراج کی غلامی ہی میں اس خطے کے لوگوں کی نجات ہے آزادی کے بعد کچھ اقوام نے شدید قوم پرستانہ جذبات کے پیش نظر تاریخ کو ایک اہم اور موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ عوام کی فلاح و بہبود، ترقی و معیار زندگی کے لئے مثبت اقدام لینے کے بجائے حکمران طبقوں نے ماضی کی شاندار روایت اور ماضی کے حسین تصورات کے خواب دکھا کر عوام کی توجہ ماضی کی طرف موڑنے کی کوشش کی۔ یہ عمل کہیں کہیں اب بھی بدستور جاری ہے۔ قوم کے لئے راہ نجات حالات و تقاضوں کو سمجھ کر ان کا حل تلاش کرنے کے بجائے ماضی کے ناکام اور فرسودہ اداروں کی تشکیل نو اور تعمیر نو قرار دیا جا رہا ہے جبکہ ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں تاریخی عمل کو سمجھنے اور تجزیے نے نہ صرف ہندوستانی دانشوروں کو متاثر کر کے ان کی سوچ میں پختگی پیدا کی بلکہ قومی ترقی و قومی احساس کے فروغ میں بھی اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ملک اور سندھ میں تاریخ ایک ایسا مہلک ہتھیار ثابت ہو رہی ہے کہ موجودہ دور کی منشیات بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ اس داخلیت کی کیفیت میں سندھ پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے کیونکہ تضادات کا دائرہ یہاں انتہائی وسیع اور گہرائی لئے ہوئے ہے۔

آزادی کے بعد اقوام میں ایک نئی امنگ اور ایک نیا جذبہ پیدا ہونا فطری ہے اور آزادی کے شعور کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہر قوم کے لوگ اپنی تاریخی حیثیت، پس منظر اور رسم و رواج کا از سر نو تنقیدی

جائزہ لیتے ہیں یہ جائزہ اس لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ تاریخ کو سمجھے بغیر اور صحیح نتائج اخذ کئے بغیر نہ حالات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ایک خوش آئند مستقبل کی تعمیر کے لئے اس سے کام لیا جا سکتا ہے اس ضمن میں یہ نکتہ بھی قابل غور و توجہ ہے کہ سامراج سے آزادی کے بعد جذبہ قومیت نے ان اقوام میں کچھ ایسی خوفناک اور غیر ادراکی کیفیت پیدا کر دیتی کہ تاریخ کا مطالعہ انہیں روشن خیالی حقیقت پسندی اور فرسودہ روایات سے بغاوت کا جذبہ پیدا کرنے کے بجائے ان کو مزید الجھا کر رکھ دیتا ہے۔ قوم پرستی کے موجودہ رجحانات کا تجزیہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔ قوم پرستی کے جذبات اگر قوم و قومیت کی تشکیل میں معاون و مددگار ہے تو اسے کسی حد تک مثبت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر جذباتیت اور عصبیت کے رجحانات کو فروغ دے کر یہ صحیح فکر کے نشوونما اور ترقی میں حائل ہو یا تاریخ کے حقیقت پسندانہ جائزے میں مانع ہو تو صورت حال پر اس کے بڑے اہم دگہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس طرح ہر اچھی یا بری چیز قوم پرستی کے رشتے و حوالے سے ایک ایسا تقدس حاصل کر لیتی ہے جو ہماری فکر اور قوت ارادی کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہے قوم پرستی کے منفی رجحانات تاریخ سے سبق حاصل کرنے کے بجائے تاریخ کے عمل و تقاضوں کو سمجھنے و پرکھنے میں حارج ہوتے ہیں۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں قوم اپنے ماضی کے عظیم کارناموں اور عظمت کے فریب میں مبتلا ہو کر ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے ماضی کی گم گشتہ راہوں میں بھٹک کر وہ اپنے حال و مستقبل، سب سے ہی بے پرواہ ہو جاتی ہے نفسیاتی تجزیہ سے جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ خوش آئند نہیں۔ آج کے ترقی پذیر دور میں جہاں لمحہ بہ لمحہ زندگی میں تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکنے والی قومیں اپنی نفسیاتی تسکین کے لئے شاندار ماضی کے سراب میں گم ہو جاتی ہیں۔ پاکستان خاص طور سے اس کیفیت سے دوچار ہے

اور سندھ میں ایسی علامات روز روشن کی طرح عیاں ہیں جو قوم پرستی کی
لپیٹ میں سندھی نوجوانوں کو حقیقت پسندی اور تجزیاتی مطالعہ سے دور لے
جاتی رہی ہیں۔

صوبائی حیثیت کی جدوجہد و ابتدار

تاریخ کے مطالعے اور بیسویں دھائی
کے تجزیے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سندھ کی علیحدگی کی جدوجہد کامیابی سے
ہمکنار ہونے تک مسلسل بیم درجائی کیفیت سے دوچار رہی سامراجی حکومت
مختلف حیلوں بہانوں سے ان کے مطالبات کو رد کرتی رہی اور یہ کہا جاتا رہا
کہ سندھ بہت ہی پسماندہ علاقہ ہونے کے سبب صوبائی انتظامیہ کے اخراجات
برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا لیکن ہندوستان کی بدلتی ہوئی سیاسی فضا
اور ملک کی سیاسی جماعتوں کی حمایت نے اس مطالبے کو نیا رخ دے دیا۔
اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ٹیکسوں کی شرح میں اضافے کی اجازت کے
بعد حکومت کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں رہ گئی تھی جو سندھ کا بمبئی سے الحاق
بدستور قائم رکھ سکے اس طرح سندھ ایک برطانوی صوبے کی حیثیت ہندوستان
کے نقشے کی زینت بن سکا ایک طویل مدت تک بمبئی سے الحاق کے نتیجے میں
سندھ کی حیثیت محض ایک حاشیہ بردار علاقے کی رہ گئی تھی علیحدگی کے بعد
جو خلا پیدا ہوا اسے پر کرنے کے لئے لگن، محنت، وسائل اور وقت درکار تھا
سندھ کی ابھرتی ہوئی قیادت ابھی پوری طرح اس جانب توجہ بھی نہ دے
سکی تھی کہ ہندوستانی سیاست کا رخ ایک نئے سمت موڑ دیا گیا۔ ہندو مسلم
قومیت کے ابھرتے ہوئے تضادات۔ اور کانگریس، لیگ چپقلش نے ایک نئی
صورت حال پیدا کر دی ۔ نئے دستور کے نفاذ کے بعد انتخابات میں مسلم لیگ
کی شکست نے حالات کو ایک نئی کیفیت سے دوچار کر دیا کانگریس سے

منسلک ترقی پسند سوچ رکھنے والے عناصر دباؤ ڈال رہے تھے کہ ملک
کی سماجی و معاشی حالات کی بہتری کے لئے جلد از جلد اقدامات کئے جائیں
یہ امر اب کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ان کے پروگرام میں زرعی اصلاحات کو
مرکزی حیثیت حاصل تھی جو جاگیرداروں اور زمینداروں کے لئے موت کا
پیغام ہو سکتی تھی۔ اب بہتری اس میں ہی تھی کہ اپنے تمام اثر ورسوخ کے
ساتھ مسلم لیگ کو اپنا مقصد بنا کر کفر واسلام کی جنگ میں شامل ہو گئے اس
جدوجہد میں اسلام کا نعرہ سادہ لوح عوام کے لئے بڑی کشش رکھتا تھا
اس لئے بمبئی سے علیحدگی کے بعد سندھ کی سیاست کا ہدف صوبائی ترقی و
خوشحالی کی جدوجہد سے ہٹ کر ایک نئی جانب مڑ گیا۔ صوبے کی ترقی کی
جدوجہد کو پس پشت ڈال دیا گیا اور سندھ کی سیاست کا انداز بدلنے لگا۔

آزادی کے بعد سے سندھ کی صورت حال میں مستقل تبدیلیاں رونما
ہوتی رہی ہیں۔ لیکن کسی بھی ایسی تبدیلی کا نشان واضح طور پر اب تک نہ مل سکا
جو سندھ کے مظلوم لوگوں کی راہ نجات بن سکے آزادی کے بعد تبادلہ آبادی کا لا
متناہی سلسلہ سندھ کی سیاست و معیشت پر بری طرح اثر انداز ہوا ہندوؤں کے
انتقال آبادی سے سندھ کے محنت کشوں کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔ ان کی
جگہ ہندوستان سے آنے والے ظالم و مظلوم دونوں ہی سندھ کی دھرتی پر اپنا
تسلط قائم کرنے لگے ابتدائی دور کے جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سندھ
میں اس وقت دو طبقات نمایاں تھے وڈیروں اور جاگیرداروں پر مشتمل طبقہ
جو سندھ کی سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی پر پوری طرح چھایا ہوا تھا جب
کہ دوسرا طبقہ ایسے مفلوک الحال محنت کشوں اور ہاریوں کا تھا جنکی زندگی بھی
وڈیرہ شاہی کے رہن منت تھی۔ جہالت، مفلسی، توہمات اور روایت پرستی
سے پٹا ہوا یہ طبقہ نہ صرف اپنی روزی کے لئے وڈیرہ شاہی کا محتاج تھا بلکہ
ان کی عزت و حرمت اور خاندان کا ہر فرد اس کے تابع تھا۔ اس سماجی پس منظر

میں امراء کے طبقے کو نہ تو کوئی خطرہ تھا اور نہ ہی ان کی اجارہ داری کو چیلنج کرنے والا کوئی ادارہ۔ یہ طبقہ بلا شرکت غیرے سندھ کی قسمت کا مالک بنا رہا اور اپنے طبقاتی مفادات کے پیش نظر حکمران طبقے سے سودے بازی کرتا رہا جدید فکر اور تبدیلیوں سے نابلد، وڈیرہ شاہی، قومی سطح پر زیادہ سے زیادہ پیش رفت نہ کر سکی۔ لیکن داخلی طور پر اس کے مفادات و عیش عشرت کی اسے ہمیشہ بھرپور ضمانت حاصل رہی اس صورت حال کا طویل مدت تک اسی طرح قائم رکھنا ایک مشکل مسئلہ تھا۔ جنگ عظیم کے بعد سے جو تبدیلیاں رونما ہوئیں وہ بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ رسل و رسائل و مواصلاتی نظام میں ترقی و تبدیلی نے علم و دانش کے نئے باب کھول دیئے دنیا کے ہر خطے اور ہر ملک میں نئی تحریکوں نے انسانی شعور کو جھنجھوڑ کر بیدار کرنے کی کوشش کی اور سندھ بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکا آہستہ آہستہ ایک نیا طبقہ وجود میں آنے لگا۔

قیام پاکستان اور سندھ

۱۹۴۷ء میں آزادی اور قیام پاکستان کے بعد تبادلہ آبادی کے طویل سلسلے نے سندھ کی داخلی حیثیت پر بڑا بوجھ ڈالا۔ کراچی کو ملک کا صدر مقام قرار دینے کے بعد ہندوستان کے علاوہ پاکستانی علاقوں آبادی کی ہجرت کا ایک نہ ختم ہونے والا عمل شروع ہوا۔ ہندوستان سے لٹے ہوئے بے خانماں برباد آبادی کو بسانے کے لئے سندھ نے کشادہ دلی کے ساتھ اپنا کردار ادا کیا۔ لیکن آبادی کا بڑھتا ہوا دباؤ روزگار کی تلاش میں اس علاقے پر بڑھتی ہوئی یلغار نے مسئلہ کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ یہی نہیں مسلم لیگی ذہنیت کی ماری ہوئی ہندوستانی آبادی کا رویہ بھی سندھیوں کے ساتھ افسوسناک رہا۔ سرسید سے لیکر مسلم لیگ کی کامیابی تک، مذہب، مسلم ثقافت اور اردو زبان کا جس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اس کا فطری ردعمل یہی ہو سکتا تھا۔ ہندوستان کے

اقلیتی صوبوں کی مسلم آبادی ایک ایسے غرور و تکبر میں مبتلا رہی کہ خود کے سامنے دوسروں کو کمتر اور ادنیٰ سمجھتی رہی پاکستان آکر بسنے والوں نے ایک مدت تک اس مزاج کی نمائش کی اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ لوگ اپنا تہذیبی ورثہ، زبان، ثقافت سب ہی کچھ کھو چکے ہیں لیکن اپنا سب کچھ کھونے کے باوجود ان کا عمل "رسی جل گئی مگر بل نہ گیا" کے مصداق ہے انہیں اپنی مظلومیت کا احساس تک نہیں۔ اپنی سرزمین سے رشتہ توڑ کر اس آبادی نے خود کو نظریہ پاکستان کے خول میں بند کر لیا اور اب تک اسی فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ اس نظریئے کے امین و محافظ ہیں۔ اسی طرح آزادی کے بعد ایک موہوم سی امید کہ سندھ کے عوام کی زندگی میں بھی ایک نیا سورج طلوع ہونے والا ہے بہت جلد یاس و ناامیدی میں بدل گئی وڈیرہ شاہی قیادت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حالات کا مقابلہ کر کے کوئی بہتر صورت حال پیدا کر سکے ان کی کمزوریاں اور داخلی کیفیت کا اندازہ ابتداء میں ہی ہو چکا تھا اور اس لئے کراچی کو سندھ سے الگ کرنے کی ہمت پیدا ہوئی جس سے سندھ کے معاشی وسائل پر کاری ضرب لگائی گئی اور سندھ کے لوگ اپنا دل مسوس کر رہ گئے ابھی یہ زخم بھرا بھی نہ تھا کہ پاکستان کے بساط سیاست میں تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہوئیں پنجاب اور بنگال کے درمیان ایک کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ کی ابتداء ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اقتدار کی کشمکش نے نیا رنگ اختیار کر لیا۔ چھوٹے صوبوں اور بنگال کے درمیان مفاہمت و تعاون کے خوف نے پنجاب کے مفاد پرست طبقات اور ارباب اقتدار کو ایک ہیجانی کیفیت سے دوچار کر دیا۔ اب حکمران طبقات نے ایسے اقدامات کی طرف توجہ دینی شروع کی جو پنجاب کی برتری کی مستقل ضمانت دے سکے اور اسکا حل "ون یونٹ" قرار دیا گیا۔ نظریہ پاکستان اس کی اساس قرار پایا اور اس طرح ۱۹۵۵ء میں صرف ۸ سال بعد ہی سندھ دوبارہ اپنا تشخص اور اپنی پہچان کھو بیٹھا۔

جنرل یحییٰ کے دور حکومت میں عام انتخابات کے وقت شیخ مجیب الرحمٰن
کے کئی اہم اور طاقتور مخالفین نے اپنی اپنی جماعتوں کو عام انتخابات سے
الگ کرلیا تھا ان میں مولانا بھاشانی اور بیگم آمنہ کمال کو بڑی اہمیت بھی حاصل
تھی۔ ان رہنماؤں کی دست برداری کی پشت پر یہ اصول کارفرما تھا کہ مشرقی
پاکستان کے قوم پرست متحدہ طور پر شیخ مجیب کو اپنا نمائندہ بنانا چاہتے
تھے تاکہ وہ مغربی پاکستانیوں سے واحد نمائندہ سیاسی طاقت کی حیثیت سے
سودے بازی کرکے اپنے مطالبات منوا سکے ایسی فکر بنگال کی قوم پرست
ذہنیت اور علاقائی مفادات سے وفاداری کی عکاسی کرتی ہے جبکہ سندھ
میں ایسے رجحانات کی گنجائش اب بھی پیدا نہ ہو سکی۔ گورنر جنرل غلام محمد
جب سندھ کے وزیر اعلیٰ عبدالستار پیرزادہ کو استعمال نہ کرسکے۔ تو ان کی
حکومت کو سبکدوش کردیا گیا سندھ کے مفادات اور سندھ کے تقدس
کا سودا کرنے کے لیے جلد ہی مرد آہن جناب ایوب کھوڑو اور پیر علی محمد راشدی
مل گئے ون یونٹ کی قرارداد سندھ اسمبلی نے کس طرح منظور کی ہماری
تاریخ کا ایک افسوسناک باب ہے یہ صرف مردِ آہن کے کرشمات کا ہی نتیجہ تھا
لیکن وہ چوٹ کھا گئے اور صوبہ سرحد کے ڈاکٹر خان صاحب کو مغربی پاکستان
کا وزیر اعلیٰ مقرر کردیا گیا سندھ میں ون یونٹ سے تمام تر نفرتوں کے
باوجود سیاسی رویے میں اب ایک نئی تبدیلی بھی دیکھنے میں آتی ہے
صرف سندھی ہونے کے ناطے سے سندھ کے مفادات اور جغرافیائی حیثیت
کا سودا کرنے والوں کا تقدس دوبارہ بحال کیا گیا ہے نئی نسل کو ان کی کار
گذاریوں سے بے خبر رکھ کر سندھ کی سیاسی تاریخ میں انہیں نمایاں مقام
بخشا جارہا ہے اس رویے کی پشت پر عصبیت کی بنیادیں اس قدر گہری ہو
چکی ہیں کہ آئندہ سچ اور جھوٹ کی تمیز بھی ممکن نہ رہے گی اس رویے کے
پس منظر میں سندھ میں ایسے افراد کی کمی نہ رہے گی جو اپنے ذاتی اغراض

و مقاصد کے لئے سندھ اور اس کے مفادات کو قربان کردیں تاہم اس منفی رویئے اور رجحان سے الگ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ سندھ میں قوم پرستانہ ذہنیت کی تشکیل و فروغ میں ون یونٹ کے المناک باب نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

سندھ میں قوم پرست تحریک کا فروغ

'ون یونٹ' کی تشکیل و قیام نے سندھ کے دانشوروں، طالب علموں، سیاسی کارکنوں اور روشن خیال طبقوں کو ایک ہیجانی کیفیت سے دوچار کردیا۔ سندھ کے ساتھ بار بار ناانصافیوں اور حقوق کی پامالی نے انہیں سرتاپا احتجاج بنادیا۔ ان کے دباؤ کے پیش نظر مثبت سوچ رکھنے والے سندھ کے رہنماؤں میں بھی تبدیلیاں آنی شروع ہوئیں نیشنل عوامی پارٹی کا قیام براہِ راست اسی ردعمل کے پس منظر میں عمل میں آیا مشرقی بنگال سے مولانا بھاشانی صوبہ سرحد نے خان عبدالغفار خان، پنجاب سے میاں افتخارالدین اور سندھ سے جناب جی ایم سید نے اس جماعت کے قیام میں نمایاں حصہ لیا اس کے وسیع تر عوامی مقاصد کے پیش نظر جلد ہی اسے ملک گیر حیثیت حاصل ہونے لگی لیکن اس کی مقبولیت کے پشت پر ون یونٹ کا خاتمہ ہی سب سے زیادہ اہم اور نمایاں عنصر رہا۔ سندھ کے اکثر راہنما جن کا تعلق براہِ راست عوام سے تھا اسی جماعت سے منسلک ہوگئے جبکہ بھاری اکثریت جو وڈیرہ شاہی پر مشتمل تھی حکمران طبقات کے ساتھ چمٹی رہی 'ون یونٹ' نے سندھ کے اہل علم و دانش کو کھلا چیلنج دیا اور انہوں نے اسے بڑی فراخدلی کے ساتھ قبول کیا ان کی کاوشوں سے قوم پرستانہ ذہنیت کی تشکیل کا ایک نیا باب رقم ہونا شروع ہوا اس عرصہ میں سندھ کا سماجی پس منظر بھی کافی تبدیل ہوچکا تھا متوسط طبقہ کی عدم

موجودگی نے یہاں جو سماجی کیفیت پیدا کر رکھی تھی وہ اب آہستہ آہستہ بدلنی شروع ہو چکی تھی، متوسط طبقہ وجود میں آ رہا تھا جن کے تقاضے وڈیرہ شاہی سے مختلف تھے اور جن کے مسائل کے حل میں روز بروز دشواریاں بڑھتی جارہی تھیں ان کی ترقی کی راہیں روز بروز مسدود ہوتی جارہی تھیں اور ان میں یہ احساس شدید تر ہوتا جارہا تھا کہ اس ملک میں ان کی حیثیت دوسرے درجے کے شہریوں کی ہے۔ یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی تھی اور اس کا ردعمل ایک فطری امر تھا۔ بڑھتے ہوئے احتجاج اور جدوجہد کو روکنے کے لئے حکمران طبقات نے جو حربے استعمال کئے اس سے 'ون یونٹ' کے ساتھ ساتھ ملک کی سالمیت کے تصور کو بھی ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ کرکے رکھ دیا۔ نظریہ پاکستان، قومی وحدت، قومی زبان کے بیجا اور بے مصرف راگ نے سندھ کے عوام میں شدید ردعمل پیدا کیا۔ نئی سوچ کو پرانے ہتھیاروں سے زیر کرنے کی تمام جدوجہد جب ناکام ہونے لگی تو افواج پاکستان اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے میدانِ عمل میں داخل ہوگئیں۔

صدر ایوب خاں کے مارشل لا کے عوامل کچھ بھی رہے ہوں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ منجدھار میں پھنسی ہوئی ون یونٹ کی کشتی کا تحفظ بھی اس کا ایک لازمی عنصر تھا۔ مارشل لا کا نیا تجربہ جہاں ایک طرف ترقی یافتہ اور قوم پرستانہ سوچ رکھنے والوں کے لئے انتہائی کرب ناک تھا۔ تو دوسری طرف حکمران طبقات اور مفاد پرست عناصر کے لئے جنت نظیر ثابت ہوا۔ ملک میں جمہوریت، غیر جانبدارانہ خارجہ پالیسی، قومیتوں کے لئے مساوی حقوق ایسے مطالبات تھے جو ملک سے غداری کے مترادف ٹھہرے اور حکمرانوں نے خود کو مستحکم کرنے کے لئے مفاد پرستوں کو کھلی چھٹی دے دی۔ یہ ایک سانحہ تھا کہ پیداواری قوتوں کا استحصال کرنے والے گروہ میں کمی کی بجائے ایک گونہ مزید اضافہ ہونا شروع ہوا وڈیرہ شاہی

اب نوکرشاہی کے حوالے سے فوج کے اعلیٰ طبقوں کی نہ صرف شریکِ کار بنی رہی بلکہ کچھ زیادہ ہی مراعات کی مستحق قرار پائی، مارشل لا کا یہ پہلا دور کمزور قومیتوں کے لئے سب سے مشکل اور صبر آزما ثابت ہوا۔ فوجی طاقت کے سہارے پنجاب کے مفاد پرست طبقات نے سندھ کے وسائل کا جس طرح استحصال کیا وہ نہ صرف افسوسناک تھا بلکہ سندھ والوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ بھی بن گیا۔ اس دور کی ابتداء ہی سے لوٹ مار کا جو بازار گرم ہوا وہ اب تک جاری ہے لیکن جب تعلیمی اصلاحات کے بہانے سے سندھی بولی کو بھی ختم کرنے کی کوشش شروع ہوئی تو پورا سندھ سراپا احتجاج بن گیا یہی وہ اہم تاریخی موڑ ہے جہاں سے سندھ میں قوم پرستانہ ذہنیت کی ترقی و فروغ میں ایک اہم موڑ آیا سندھ میں پھیلی ہوئی معاشی و سماجی ناہمواریاں پہلے ہی نوجوان نسل کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھیں اور وہ اپنے علاقائی مفادات پر بڑھتی ہوئی یلغار کو بے چینی و اضطراب سے دیکھ رہے تھے سندھی بولی پر حملہ سندھی عوام کی پہچان کو دفن کر دینے کے مترادف تھا۔ اسلام، نظریہ پاکستان، اردو اور قومی یکجہتی، نوجوان نسل کے لئے ایک گالی بن گیا۔ ترقی پسند سوچ رکھنے والے عناصر اور قومی حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کو جس بیدردی سے کچلا گیا نوجوان نسل کے لئے نہ صرف اذیت ناک تھا بلکہ نفرت پیدا کرنے کا باعث بھی تھا۔

فوجی آمریت اور سندھ

قوم پرست ذہنیت کی تشکیل و فروغ میں جہاں دانشوروں، ترقی پسند سوچ رکھنے والے سیاسی رہنما اور کارکنوں نے مرکزی کردار ادا کیا وہاں پیشہ وارانہ صلاحیتوں کے لوگوں نے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ تعلیمی درسگاہیں، خاص طور سے سندھ یونیورسٹی نے نوجوان نسل کے

شعور کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ نئے ابھرتے ہوئے شعور نے قومی حقوق کے مطالبات کو تیزی سے آگے بڑھایا وائرہ کار بڑھتا رہا۔ سندھ کے ہاریوں و دیگر محنت کش طبقوں کو بھی متحرک کرکے میدانِ عمل میں لانے کی جدوجہد شروع ہوئی کامریڈ حیدر بخش جتوئی کی قیادت میں سندھ ہاری کمیٹی کے کارکنوں اور رہنماؤں نے سندھ کے طول وعرض میں ہاریوں کو بیدار کرکے اس جہاد میں شامل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ سندھ کے وسائل پر سندھ کے لوگوں کا حق ہے۔ قومی ترقی میں سندھ کا حق نوکریوں میں پنجاب کی قائم شدہ اجارہ داری اور دھاندلی کا خاتمہ، سندھ کی زمینوں پر بڑھتی ہوئی یلغار کی روک تھام ایسے مسائل تھے جس نے سندھ کے قوم پرستوں کو ایک مرکز پر جمع کرکے انہیں ایک اہم سیاسی حیثیت دے دی اس دور میں سندھ کے بورژوا فکر کے علمبردار عناصر و دانشور ایسے مطالبات و افکار کو اسلام کے نام پر ملک کے لئے خطرہ قرار دے کر اس کے سدباب کے لئے مارشل لا حکمرانوں کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ یہی وہ دور تھا کہ سندھ اسلام کا گہوارہ اور باب الاسلام نظر آنے لگا اور سندھی عوام کو اسلام کا سچا پیروکار و شیدائی قرار دیا جانے لگا۔ سندھ کے دانشور اس کے برعکس تاریخی تسلسل اور زمین سے رشتے کو اہمیت دیتے تھے اور انہوں نے موہن جو دڑو کی تہذیب اور قدیم ورثے کو سندھ کی پہچان کا ایک اہم دنمایاں پہلو قرار دیا۔ سامراجیت سے نفرت کے ردعمل کے نتیجے میں نوجوان نسل نے جب راجہ داہر کو سندھ کا سپوت اور ہیرو قرار دیا تو رجعت پرست قوتوں اور ایوانِ اقتدار میں ایک زلزلہ سا آگیا۔ جبکہ تاریخی پس منظر اور غیر جانبدارانہ مطالعہ ہمیں یہی کچھ بتاتا ہے۔ تاہم مشرقی پاکستان کے مقابلے میں قوم پرستی یہاں اس نکتہ عروج پر نہ آسکی تھی جو ارباب اقتدار کے لئے خطرناک ثابت ہو سکے اس لئے اسے کچلنے کے لئے ظلم واستبداد کا کھیل اس پیمانے پر نہیں کھیلا جا سکا جو

ہمیں دوسری جگہ نظر آتا ہے۔

سندھ قوم پرست تحریک میں کئی موڑ آئے لیکن تحریک ثابت قدمی سے آگے بڑھتی رہی، سندھ کے حقوق کا تحفظ اس تحریک کا بنیادی محور رہا۔ جب تک ون یونٹ جیسی غیر عوامی اسکیم نافذ رہی شمالی علاقوں کی بڑھتی یلغار کو روکنا ناممکن تھا اس تحریک کی پشت پر جب تک بائیں بازو کے دانشوروں و رہنماؤں کا غلبہ رہا اس کے مقاصد بھی عوامی مفادات کے پیش نظر تشکیل پاتے رہے اور اس امر کی جدوجہد بھی جاری رہی کہ سندھ کے مفلوک الحال ہاریوں کو متحرک کر کے انہیں بھی اس تحریک میں مرکزی کردار ادا کرنے کے لئے آگے بڑھایا جائے کیونکہ جب تک محنت کش طبقے کسی تحریک سے منسلک نہ ہوں اس کی کامیابی کی ضمانت مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے اس جدوجہد میں قوم پرستانہ ذہنیت کی تربیت کے ساتھ ساتھ طبقاتی کشمکش کو بھی اہم حیثیت حاصل ہونے لگی۔ ہاریوں اور کسانوں میں کام کرنے والے کارکن انہیں قوم پرستی کا فلسفہ نہیں سمجھا سکتے تھے لیکن حقیقی مسائل کی طرف اشارہ اور ان کے حل کے لئے جدوجہد ایسے عوامل تھے جو ان پڑھ ہاریوں اور محنت کشوں کو بھی اس تحریک کا حصہ دار بنا سکتے تھے۔ ایسے عملی اقدامات قوم پرست تحریک کے لئے ایک اہم موڑ ثابت ہوئے۔ سندھ کی وڈیرہ شاہی اپنے عظیم تر مفادات اور عیش و عشرت کے لئے حکمران طبقات کا باجگزار تھا اور وہ یہ کسی بھی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ محنت کش طبقے و پیداواری قوتوں میں یہ شعور ابھارا جائے جو آئندہ ان کے مفادات پر ایک ضرب کاری لگا دے ریچھ و سور کی لڑائی سے دل بہلانے والا عورت و شراب کے رسیا اس طبقے کے لئے کبھی بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ عوامی مفادات کے پیش نظر کچھ قربانی بھی دے۔ ان کے ساتھ ہی حکمران طبقات اس تحریک کے خدوخال کو بڑے انہماک و دلچسپی سے دیکھ رہے تھے انہیں یہ اندازہ بخوبی ہونے لگا۔

تھا کہ اس تحریک کا رخ کس طرف ہے وڈیرہ شاہی کی تشویش نے جلد ہی
ایسے حکمرانوں کا موثر آلہ کار بنا دیا اور قوم پرست تحریک اپنی پختگی سے پہلے
ہی ایک نیا رخ اختیار کرنے لگی۔

قوم پرست سندھ اور مہاجر

سندھ قوم پرست تحریک کا ایک اہم المیہ

اس علاقے میں مستقل طور پر آباد مہاجر طبقوں کا عدم تعاون و دلچسپی
رہا سندھ کو اپنا دوسرا گھر بنانے والوں نے سندھ کی سماجی، سیاسی و معاشی
صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے ایسا کردار ادا نہیں کیا جو اس امر کی شہادت
دے سکے کہ انہیں اس علاقے یہاں کے باسیوں اور یہاں کے مفادات اتنے
ہی عزیز ہیں اور وہ بھی سندھ کی صورت حال کو بدلنے کے لئے ویسی ہی
دلچسپی رکھتے ہیں جہاں ایک طرف ان کی عدم دلچسپی و بے حسی آپس میں پیدا
ہونے والی خلیج کی ذمہ دار ہے تو دوسری طرف سندھی زبان، کلچر، تہذیب
و روایات پر اس طبقہ کا تمسخرانہ انداز نے دلوں میں محبت، یکجہتی اور خلوص
کے بجائے نفرت، عناد، اور علیحدگی کو فروغ دیا، مہاجر طبقات کی اکثریت ایسے
افراد پر مشتمل رہی جو شہری کاروبار، نوکریوں اور محنت مزدوری کے ذریعے
اپنا پیٹ پال رہے ہیں اس لسانی گروپ کے ساتھ آدم جی داؤد بھائی اور
سیٹھ داؤد وغیرہ کو منسلک کرکے حالات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ نہیں کیا جا
سکتا۔ یہ لوگ ہمیشہ ہی حکمران رہے اور سندھی و مہاجر دونوں ہی ان کے
استحصال کا نشانہ بنے رہے۔ بڑی حد تک نقطہ مہاجر اس مکتبہ فکر کی
عکاسی کرتا ہے۔ جو خود کو نظریہ پاکستان، اسلام اور اردو زبان کا علمبردار
سمجھتے ہیں جبکہ پاکستان کے تاریخی تسلسل میں ان لفظوں کو جو معنی پہنائے
گئے وہ چھوٹی قومیتوں کا بڑھتا ہوا استحصال رہا۔ مہاجروں کا بڑا طبقہ اپنے

ذاتی مفادات کے پیش نظر یا اپنے فکری اساس کے پس منظر میں ان
سے نہ صرف منسلک رہا بلکہ دانستہ یا نادانستہ طور پر خود کو اس کی حفاظت کا
ذمہ دار بھی سمجھتا رہا۔ مہاجر اور اردو دان طبقہ ایک ایسے غیر شعوری کرب میں
مبتلا ہے جس کا علاج ان کے پاس نہیں ۔ یہ لوگ اپنی علاقائی پہچان کھو
چکے ہیں۔ ان سے ان کا ماضی چھن گیا۔ یہ اپنی تہذیب و ثقافت، تاریخ و
روایات سے کٹ چکے ہیں اب صرف یادوں کی کسک باقی رہ گئی ہے۔ جو مہاجر
ذہن پر محیط ہے نظریہ پاکستان اور مسلم ہندوستان کے الگ وطن کے لئے
انہوں نے جو کردار ادا کیا وہ ابھی صدیوں تک ان سے اپنا خراج وصول کرتا
رہے گا۔ اس کی قیمت انہیں نسل در نسل ادا کرنی پڑیگی ۔ اس پس منظر میں
اور انکی نفسیاتی کیفیت کے حوالے سے ان کا نظریاتی سرحدوں کی اساس
سے چپٹے رہنا واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ ان کی داخلی و نفسیاتی کیفیت سے
دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں نے بڑا بھرپور فائدہ اٹھایا ابتداء میں مہاجرین
مسلم لیگ کو اپنی میراث سمجھتے رہے لیکن آہستہ آہستہ جماعت اسلامی کے خول میں
بند ہو کر رہ گئے۔

مہاجروں کے محنت کش طبقوں میں بھی سود و زیاں کا احساس ختم
ہو کر رہ گیا۔ اور اس طبقے کو مہاجر مفاد پرست گروہ اردو کے سکہ بند شاعر
و ادیب اور دانشور اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرتے رہے۔ یہ عناصر اپنے
مفادات کے تحفظ و فروغ کے لئے کھلی ہوئی مہاجریت کو ہوا دیتے رہے
سندھ کے نوجوان اپنے تاریخی پس منظر اور سماجی حقیقتوں کے حوالے سے
جب پسماندگی کا شکار تھے تو اردو دان طبقے کے مفاد پرست عناصر نے پنجابی
بورژوا سے اپنے اشتراک کو زیادہ موزوں و بہتر سمجھا۔ ہر اصول اور ہر
قانون جس سے استحصال کی کھلی آزادی مل سکے اور جو اس صورت حال کو
جوں کا توں رکھنے میں معاون ثابت ہو سکے، ان کے لئے نہ صرف صحیح بلکہ

جائز بھی تھا۔ ایسا ذہن اور ایسی فکر ہم آہنگی و تعاون کی فضا نہیں پیدا کرتی۔ سندھ کا ابھرتا ہوا متوسط طبقہ بڑھتی ہوئی بے رحمی کا مستقل شکار نہیں رہ سکتا تھا اور اس کا ردعمل ایک فطری امر تھا۔ پنجاب کے ساتھ ساتھ مہاجروں سے ان کی نفرت حالات کا فطری تقاضہ بن گیا۔ مہاجر بحیثیت ایک سماجی سیاسی و معاشی قوت، سندھ کے مجموعی مفادات و حقوق کے ساتھ کسی بھی طرح خود کو منسلک نہ کر سکا۔ سندھ کے شہروں میں بھاری اکثریت کے سبب، سیاسی ہنگامہ آرائی میں پیش پیش ضرور رہا لیکن سندھ کے حقوق کے سلسلے میں جلسہ جلوس تو کیا اپنے قلم و زبان کو بھی استعمال کرنے سے گریزاں رہا۔ سندھ کا ون یونٹ اسکیم میں شمولیت کا مسئلہ نہ صرف سندھیوں کی بقا کا مسئلہ تھا بلکہ مہاجر بھی اس سے الگ نہ تھے لیکن مفاد پرستوں نے اپنے وقتی فائدے کے لئے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ اگر مہاجر سندھ کے شہروں میں ون یونٹ میں شمولیت کے خلاف تحریک چلا کر پورے سندھ کے عوام کو اپنی تحریک سے منسلک کرنے کی کوشش کرتے تو نہ صرف سندھ کی سیاسی صورت حال مختلف ہوتی بلکہ سندھ کا ایک طویل مدت تک استحصال ہونے سے نجات ہوتی۔ ہنگامہ آرائی و ایجی ٹیشن کی صورت حال سندھ کے مرد آہن جناب کھوڑو کو ایک نئی حقیقت سے دوچار کر دیتی اور وہ سندھ اسمبلی میں وڈیرہ نمائندوں کو بھیڑ بکری کی طرح ہانک کر ون یونٹ کی قرارداد منظور نہ کرا سکتے تھے۔ مہاجر مفاد پرست ذہنیتوں نے آگے چل کر بھی حقیقت پسندی کا ثبوت نہ دیا جنرل یحییٰ کے دور حکومت میں ون یونٹ جب آخری سانسیں لے رہا تھا تو سندھ کے بزرگ رہنما جناب جی ایم سید نے بھی ایک طویل مدت کے بعد سندھ کی داخلی سیاست میں دوبارہ اپنا کردار متعین کیا۔ قوم پرستانہ ذہن کی تشکیل کے سلسلے میں وہ ابتدا ہی سے سرگرم عمل رہے اور ون یونٹ کے خلاف ان کا رویہ آخر تک سخت رہا یحییٰ خان

کے دور میں جناب جی ایم سید نے ون یونٹ سے نجات کے لئے سندھ متحدہ محاذ تشکیل دیا۔ حالات وقرائن یہ واضح کر رہے تھے کہ اب اس اسکیم کی ضرورت باقی نہ رہی تھی اور اب حکمران طبقہ ایک نیا جال تیار کر چکا تھا۔ سندھ کی وڈیرہ شاہی جوق در جوق جناب سید کے قائم کردہ محاذ میں شمولیت اختیار کرنے لگی جو اس امر کو مزید واضح کرتا ہے کہ ایوان اقتدار میں ون یونٹ کے خاتمے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود مہاجروں کو اس سے سروکار نظر نہیں آتا تھا۔ مہاجر رہنما نواب مظفر حسین خاں نے مطالبہ کر کے سندھ میں مہاجروں اور دوسری قومیتوں کے حقوق کی پہلے ضمانت دی جائے رکاوٹ ضرور پیدا کی۔ انہوں نے سندھی، پنجابی، مہاجر، پٹھان متحدہ محاذ قائم کر کے سندھ کی سیاسی صورت حال کو دو متحارب دھاروں میں تبدیل کر دیا آگے چل کر مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور لسانی فسادات نے سندھ کی صورت حال کو مزید پیچیدہ کر دیا اردو کے دانشور نے اردو کا جنازہ دھوم سے نکالنے کی اپیل ضرور کی لیکن اپنے قلم اور اپنی فکر کو کبھی بھی کسی مثبت تبدیلی کے لئے استعمال نہ کیا۔

ایوب خاں کی پالیسیاں اور سندھ

پاکستان کے پہلے فوجی ڈکٹیٹر

ایوب خاں کی آمرانہ سیاسی زندگی میں ۱۹۶۵ء کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسی سال کی ابتداء میں انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو "شکست" دے کر صدارتی انتخاب میں "کامیابی" حاصل کی تھی لیکن اس کا تقدس قائم نہ ہو سکا کامیابی کے دعوے کا کھوکھلا پن ابتداء ہی سے ساری دنیا پر ظاہر تھا۔ اس پس منظر میں ایوب خان نے عوامی مقبولیت کے حصول کے لئے ایک نئی ا ہ ہ ، لگا دی جو جنگ کشمیر و جنگ ستمبر کی صورت میں رونما ہوئی لیکن ایوب خاں

اس میں بھی شکست کھا گئے اور ان کی گرفت زمام اقتدار پر کمزور پڑ گئی اور تاریخ کا رخ ایک نئی سمت ہو گیا۔ سندھ کی صورت حال نے بھی اب ایک نئی کروٹ لینی شروع کر دی۔ ایوبی آمریت کے ابتدائی ایام ہی سے سندھ کیساتھ جو غیر منصفانہ اور بہیمانہ سلوک روا رکھا گیا تھا وہ ہمارے ملک کی تاریخ کا ایک افسوسناک باب ہے۔ سندھ کی زرخیز زمینوں پر بڑھتی ہوئی یلغار میں اب ایک نئے عنصر کو بڑی اہمیت حاصل ہونے لگی۔ سندھ کے نمائندے اپنے وڈیرہ شاہی پس منظر میں ہمیشہ ہی سے چڑھتے سورج کے پجاری رہے لیکن اگر کسی رہنما نے اعتراض کیا اور حکومتی پالیسیوں وکارروائیوں پر تنقید بھی کی تو اس کا منہ بند بھی کر دیا گیا۔ طاقت و دولت بڑی مسحور کن ہوتی ہے اس دور میں ابھرتی ہوئی قوم پرست تحریک کو بری طرح کچلا گیا۔ کارکنوں اور طلباء پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے۔ ظلم و بربریت کے اس دور میں جنرلوں نے مارشل ریس کو سندھ کے گرد و پیش میں اس طرح رچا بسا دیا کہ سندھیوں کی قوت مدافعت جواب دینے لگی۔ نئے مفادات کے پیش نظر مثبت سوچ رکھنے والے دانشوروں پر بھی کاری ضرب لگائی گئی اور ان سے محب وطن ہونے کا اعزاز و سرٹیفکیٹ بھی چھین لیا گیا۔ "قومی پریس" نے کردار کشی کی ایسی گھناونی مہم شروع کی جس نے آگے چل کر قوم پرست کے ساتھ قومی مفادات و یکجہتی کو بھی پارہ پارہ کر کے رکھدیا۔ جام ساقی جیسے رہنما اس دور کے ابتدائی ایام ہی سے قید و بند اور تشدد کو جھیلنا شروع کیا اور ابتک حکمران ان کی ہمت اور استقلال کو توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے حسن ناصر ظلم و بربریت کے طفیل اپنی جان سے گذر گئے۔ لیکن سندھ کے کارکنوں نے ان کی دی مشعل کو اونچا رکھا۔ اس طرح قوم پرست تحریک کو مثبت خطوط پر آگے بڑھانے والے عناصر کا پوری طرح صفایا کر دیا گیا اور ان پر ایسی پابندیاں عائد کر دی گئیں کہ یہ خطرہ حکمرانوں کے لئے دوبارہ سر نہ اٹھا

سکے۔ ایوانِ اقتدار کی دہلیز پر بیٹھی ہوئی وڈیرہ شاہی نے بھی اب سکون کا سانس لیا۔ سندھ کی سیاسی فضا میں ایک شدید گھٹن کا احساس بڑھتا رہا۔ تحریک کو تشدد کے ذریعے کچل کر ایک خلا پیدا کر دیا گیا۔ نوجوان نسل غصہ، انتشار، بے چینی اور کرب سے دوچار ہو کر رہ گئی۔ ایوب کے دورِ اقتدار میں سندھ پر کیا کچھ بیت گئی آنے والا مورخ بہتر طور پر بتائے گا۔ لیکن ان کا دورِ حکومت ملک کی جڑوں کو جس طرح کھوکھلا کر گیا اس کا فطری نتیجہ وہی نکل سکتا تھا۔ جو مشرقی پاکستان میں دیکھنے میں آیا اور موجودہ پاکستان کی سیاسی کیفیت بھی اس کی غمازی کرتی ہے۔ طاقت اور تشدد کے ذرائع انسانی شعور کو نہیں کچل سکتے ہیں اس دور کو سامراج نے مثالی دور قرار دے کر پاکستان کو ایک جنت نظیر مملکت کے حوالے سے اس کا پروپیگنڈہ بھی کیا، لیکن تشدد کے ذریعے عوام کے جذبات و احساسات کو کچلنے کے منفی نتائج پر کبھی غور نہیں کیا گیا۔ حکمران طبقات طاقت کے نشے میں ایک ایسے گھمنڈ کا شکار تھے کہ آگے کچھ نہ سوچ سکے انہیں یقین تھا کہ وہ عوامی سطح پر اٹھنے والی ہر تحریک کو سامراجی اشیرباد کے سائے میں کچل کر رکھ دیں گے۔ ان معروضی حالات میں زیادہ سے زیادہ سندھ حکمران طبقات کی بے رحمانہ پالیسیوں اور ذہنیت کا نشانہ بنا۔ لیکن کب تک؟ ایوب خاں کی اقتدار پر ڈھیلی گرفت نے انتشار و سیاسی ہنگامہ آرائی کے ایک ایسے دور کا آغاز کیا جسکی ابتدا تو معلوم ہے لیکن آخری انجام کے متعلق اب تک واضح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ سندھ کی سیاسی صورت حال پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے تشدد و بربریت کے سبب جو سیاسی خلا پیدا ہوا حکمرانوں کے اشاروں پر دائیں بازو کی جماعتوں نے اسے پورا کرنا شروع کیا۔ اسی دور میں انتہا پسند روے کو بھی فروغ حاصل ہونا شروع ہوا سندھ میں ون یونٹ کے خلاف جناب جی ایم سید اور ان کے رفقائے کار نے پیش رفت

جاری رکھی - ایوب خاں کے اقتدار کے آخری موڑ پر کمشنر مسرت حسین خاں کے ذریعے جام شورو پر سندھ یونیورسٹی کے ظلم و تشدد نے انتہا پسند ذہنیت کو مزید ہوا دی جانے لگی - جبکہ نوکر شاہی کا خود اپنا ایک الگ ہی تشخص ہوتا ہے اور وہ اب بھی بدستور قائم ہے لیکن منفی انداز فکر نے محاذ آرائی کی فضا میں مزید وسعت پیدا کرنی شروع کی اسطرح ہماری جی ایم سندھ تحریک کا بھرپور فروغ بھی اسی دور میں دیکھنے میں آیا - ابتدا میں اس کے خدو خال پوری طرح واضح نہ تھے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اصل حقیقت کا اندازہ ہونے لگا - عوامی حقوق کو غصب کر کے جبر و تشدد کے ذریعے حکمرانی کے طریق کار سے ایسا ردعمل ایک فطری حقیقت بن جاتا ہے آگے چل کر عوامی ابھار اور ایوب خاں کے خلاف نفرتوں کا ابلتا ہوا لاوا موصوف کو بہا کر لے گیا انہیں مفلوک الحال، ان پڑھ، جاہل اور گنوار عوام کے سامنے اپنے اقتدار کا پرچم سرنگوں کرنا پڑا - ایوب خاں کو تاحیات صدر بننے کے خواب کو ادھورا چھوڑ کر رخصت ہونا پڑا - پاکستانی فوج کے دوسرے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خاں اب اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کرنے تشریف لائے اور مسند اقتدار پر قابض ہو گئے -

یحییٰ خان اور سندھ قوم پرست تحریک :-

جنرل یحییٰ خان جب اقتدار پر قابض ہوئے تو پورے ملک میں ہنگامہ آرائی کا دور دورہ تھا انتشار و بے چینی کی فضا نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھیں اور حالات پر قابو پانے کے لئے جوش سے زیادہ ہوش مندی کا ثبوت دیں حکمران طبقات اور مفاد پرست عناصر کے لئے صورت حال نہ صرف پریشان کن تھی بلکہ حوصلہ شکن بھی تھی - عوامی سطح پر جو ابھار آچکا تھا اسے دبانا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا

جارہا تھا۔ ان حالات میں کچھ مراعات دے کر لوگوں کو مطمئن کرنا ضروری تھا۔ انتخابات کا وعدہ، ایک فرد، ایک ووٹ کے ساتھ ساتھ ون یونٹ کے خاتمے کا اعلان نے صورت حال کو بڑی حد تک خوشگوار بنادیا اعتماد کی بحالی اور سیاسی فضا میں سکوت کے بعد فوجی حکمرانوں نے اپنا سیاسی رخ نئے انداز سے متعین کرنا شروع کیا۔ ون یونٹ ٹوٹ جانے کے بعد جناب جی ایم سید کے قائم کردہ سندھ متحدہ محاذ کی سیاسی اہمیت ختم ہوکر رہ گئی۔ انتخابی عمل سے پہلے اگر ون یونٹ ختم نہ کیا جاتا تو سندھ کی سیاست وحکومت پر محاذ پوری طرح قابض ہوتا ایک طرح سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جناب جی ایم سید کی سندھی کی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کئے رہنے سے وہ اپنی جڑیں اس وقت مضبوط بنیادوں پر قائم نہ کرسکے ون یونٹ کے مخالف دوسرے صوبوں یعنی سرحد وبلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی کی مقبولیت اور کامیابی سے یہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انتخابی عمل کے نتیجے میں جناب سید کے محاذ کا کھل کرا اندازہ ہونے لگا۔ دوسری جماعتوں کی مقبولیت اور وڈیرہ شاہی کی محاذ سے پسپائی اس کے کھوکھلے پن کو واضح کرنے کے لئے کافی تھے شکست خوردگی کے احساس نے منفی رجحانات کو فروغ دیکر سندھ کی سیاسی فضا کو مذموم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

یحییٰ خاں کے اقتدار پر قبضے کے بعد ہی سندھ کی سیاسی صورت حال کو قابو میں رکھنے کے لئے حکمران طبقے نے منصوبہ بندی کرلی تھی سندھ متحدہ محاذ کے بکھرنے کے بعد سندھ کی نوجوان نسل کی قوت وذہن کو ایسے منفی رجحانات اور بے مقصد جدوجہد کی جانب موڑ دیا گیا جو حکمران طبقے کے لئے مفید وموزوں ہو قوم پرستانہ جذبات سے سرشار نوجوان نسل کو اگر غلط راہ پر نہ لگایا جاتا تو سندھ میں صدیوں سے قائم شدہ فرسودہ سماجی نظام اس کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ سندھ کی وڈیرہ شاہی بغور حالات کا جائزہ

لیتی رہی تھی۔ جب ایوب خاں کے زوال کی نشانیاں واضح ہونے لگیں تو یہ لوگ اپنا بوریا بستر لیکر کنونشن مسلم لیگ سے نکلے اور اس نے پاکستان پیپلز پارٹی کے آستانے پر سر جھکا دیا۔ جناب بھٹو کی سیاست، حیثیت و مقبولیت سے اس طبقے کو واضح اندازہ ہو چکا تھا کہ حالات کا رخ کس طرف ہے اور سامراج کا سفید گھوڑا اب کس کے پاس ہوگا۔ اس طبقہ کی جوق در جوق پیپلز پارٹی میں شمولیت نے پارٹی کے سیاسی خدوخال اور پروگرام کو بری طرح متاثر کیا اس جماعت پر وڈیرہ شاہی پوری طرح حاوی ہو چکی تھی لیکن ساتھ ہی اس طبقے نے اپنے کثیر وسائل کو قوم پرستوں میں شدت پسندی کو ابھارنے کے لئے استعمال کیا۔ ایوب خاں کے جانے کے بعد انہوں نے نوجوانوں کو بھرپور استعمال کرنا شروع کیا۔ یحییٰ خاں کے دور اقتدار میں انتہا پسندی کا رخ پنجابی آباد کاران کی طرف پھیر گیا۔ جس کا منطقی نتیجہ ۱۹۶۹ء میں بلڑی شاہ کریم میں ایک پنجابی زمیندار ڈاکٹر کے گھر پر حملہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جوش جنوں میں کلہاڑیوں سے مسلح افراد کو جب آتشیں اسلحہ سے سابقہ پڑا تو وہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ اس کے سیاسی اثرات بھی وڈیرہ شاہی کے لئے منافع بخش نظر نہ آئے اور حکمران طبقے نے اس امر کا سختی کے ساتھ نوٹس لیا۔ پنجاب میں جناب بھٹو اور ان کی جماعت کی بے پناہ مقبولیت نے بھی اس قسم کی انتہا پسندی کو روکا۔ اس طرح انتہا پسندی کا رخ اب سندھ میں مہاجروں کی طرف شدت سے پھیر اگیا۔ نفرتوں کی خلیج اور بھی گہری ہوتی چلی گئی۔ مہاجر طبقات کی پشت پر کوئی سیاسی قوت نہ تھی اور انہیں آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ اس طرح سندھ کی نوجوان نسل ایک مدت تک اس فریب میں مبتلا رہی کہ وہ اپنی قوم اور اپنی دھرتی کی خدمت کر رہی ہے وطن پرستی کے جذبے سے سرشار نوجوان نسل کے ذہنوں کو عصبیت، انتہا پسندی اور داخلیت کے زہر سے بھر دیا گیا ان سے سوچنے سمجھنے اور حالات کا تجزیہ کرنے کی قوت چھین لی گئی۔ نئی نسل بے دست و پا ہو کر مفاد پرست ہاتھوں میں

ایک کھلونا بن کر رہ گئی اور ان عناصر نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے انہیں پوری طرح استعمال کیا۔ سندھ میں عصبیت کو ہوا دینے میں حکمران طبقہ نے بھی بڑا اہم و نمایاں کردار ادا کیا یحییٰ خاں کے دور اقتدار میں سندھ کے گورنر رحمان گل نے صوبائی تعصبات کو ہوا دیکر اپنے اقتدار کو مزید مستحکم کیا۔ یہ موصوف ہی کے دور کی بات ہے کہ کوٹہ سسٹم رائج ہوا جب کہ آگے چل کر اس کی نفرتوں کا نشانہ جناب بھٹو ہے اور اس کو ان کی جماعت کے کھاتے میں ڈال دیا گیا اس دور کے ڈپٹی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ائر مارشل نور خاں نے بھی حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے انتہاپسندوں کی خوشنودی کو ہی مقدم خیال کیا ان حالات میں جب اصولوں پر سمجھوتے کے بعد صرف سیاسی ضرورتوں کے تحت جو بھی پالیسی اختیار کی گئی اس کے نتائج یہی کچھ نکل سکتے تھے جو آج ہمارے سامنے ہیں۔

جناب بھٹو اور عوامی سیاست

سندھ کی سیاسی فضا ایک نئی صورت حال سے دوچار ہوئی جب پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو، ایوب خاں کی کابینہ سے الگ ہوکر حزب اختلاف کی سیاست میں شامل ہوئے ان کی قائم کردہ پاکستان پیپلز پارٹی جلد ہی عوامی سطح پر ابھرنے لگی جناب بھٹو کا انداز سیاست عوام کو زیادہ پسند آیا۔ ان کی پارٹی کے دیئے ہوئے نعرے زیادہ دلفریب اور مسحورکن ثابت ہوئے عوامی سطح پر اس پارٹی کو دیکھتے ہی دیکھتے بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی سندھ اور پنجاب پر جناب بھٹو اور ان کی جماعت اس طرح چھا گئی کہ دوسری سیاسی جماعتوں کے لئے اپنا الگ وجود قائم رکھنا مشکل نظر آنے لگا۔ خاص طور سے دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں و رہنما جناب بھٹو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور ان کے پارٹی پروگرام سے بے حد چراغ پا ہوئے جماعت اسلامی اور اس کے

بانی مولانا مودودی ایک طویل جدوجہد اور وسیع ترمالی وسائل کے باوجود اپنے سیاسی حلقے کو وسیع نہ کر سکے متوسط طبقہ اور پیٹی بورژوا تک بھی ان کی رسائی ناممکن تھی۔ اپنے موثر تنظیمی اداروں اور کارکنوں کے باوجود ملک کی اس صورت حال سے جماعت اسلامی بوکھلا اٹھی اور اپنی تمام تر طاقت و وسائل کو جناب بھٹو اور ان کی جماعت کے خلاف استعمال کرتی رہی۔ سندھ کی سیاسی فضا میں اس کے افسوسناک اثرات مرتب ہوئے مہاجروں کی بھاری اکثریت جو اسلام کے نام پر ہمیشہ ہی بے وقوف بنتی رہی جماعت اسلامی کے خول میں بند تھی اب اردو دان طبقہ بھی اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اس کفر و اسلام کی جنگ میں شریک ہو گیا اس طبقے کے کچھ لوگوں نے سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے ملکی ترقی و خوشحالی کے لئے قومی جمہوری عمل کے فروغ کی جدوجہد کی اس طرح سندھ میں عوام کی بھاری اکثریت ابتداء ہی سے جناب بھٹو کے ساتھ رہی جبکہ جناب جی ایم سید نواب مظفر اور جماعت اسلامی بھی اپنے حلقوں میں کچھ لوگوں کو لانے میں کامیاب رہی دائیں بازو کی دوسری جماعت، جمیعت علمائے پاکستان نے مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں جماعت اسلامی سے ٹکر ضرور لی لیکن ان کا اصل ہدف بھی جناب بھٹو کی مخالفت کرتا رہا۔ اس طرح سندھ میں سندھی مہاجر، تضاد نہ صرف ابھر کر سامنے آیا بلکہ ان دونوں دھڑوں کے درمیان نفرتوں کو اس طرح ہوا دی گئی کہ ساری سیاسی فضا اشتعال انگیز ہوتی چلی گئی۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پورا ملک دائیں اور بائیں گروپوں میں بٹ گیا تھا جبکہ سندھ میں صورت حال کچھ اس طرح ابھر کر سامنے آئی کہ دائیں اور بائیں بازو کی سیاست سے الگ منفی رجحانات کو زیادہ اہمیت حاصل رہی۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کا ردعمل

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں عوامی لیگ اور

پیپلز پارٹی کی نمایاں کامیابیوں نے ارباب اقتدار کی نیندیں حرام کردیں۔ پستہ قد کالے، ڈراویڈین نسل بنگالی سفید فام آریائی نسلوں پر حکومت کریں یہ کس طرح ممکن ہوسکتا تھا۔ حکمران طبقات نے جمہوری عمل کے سدباب کے لئے اپنی صفوں کو از سرِ نو آراستہ کیا۔ پنجاب کا بورژوا طبقہ بساطِ سیاست پر بڑی شاطرانہ چال چل رہا تھا۔ جناب بھٹو کو پنجاب کا نمائندہ بنا کر اس طبقے نے نہ صرف بنگالیوں سے نجات کا راستہ ہموار کیا بلکہ ون یونٹ کے ٹوٹنے کے بعد سندھ کو دوبارہ اپنے آہنی شکنجوں میں کس لیا۔ سندھ میں پھیلے ہوئے اس طبقے کے مفادات اب مکمل طور پر محفوظ ہوگئے۔ جناب بھٹو اور ان کی پارٹی نے آگے چل کر جو کھیل کھیلا اور پنجابی مفاد پرستوں کی جس طرح خدمت کی وہ تاریخ کا ایک شرمناک باب ہے۔ تاہم شیخ مجیب اور ان کی پارٹی کی تباہی کے بعد بھٹو صاحب اور انکی جماعت کا نمبر بھی نہیں آنے لگا تھا کہ ہندوستان کی مداخلت اور جنگ نے حکمرانوں کو یہ موقع نہ دیا۔ جنگ کی وجہ سے عوامی تعاون کے لئے پیپلز پارٹی اور اس کے رہنما کو ساتھ لینا ضروری ہوگیا۔ ہندوستان سے ذلت آمیز شکست کے بعد فوجی جنتا اور بورژوا طبقات نے اقتدار جناب بھٹو کے حوالے کرکے خود کو عوامی غیظ و غضب سے نہ صرف بچا لیا بلکہ پسِ پردہ رہکر اپنی منتشر صفوں کو از سرِ نو ترتیب دینے کا عمل بھی شروع کیا تاکہ موقع ملتے ہی عوامی حقوق و جمہوری اقدار پر شب خوں مارا جاسکے۔ پیپلز پارٹی کے عوامی دور میں جو سیاسی حالات تھے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انتشار و بے چینی میں کمی کے بجائے مزید اضافہ ہوا شکست خوردہ دائیں بازو کی جماعتیں اور ان کے رہنما مستقل سازشوں میں مصروف نظر آئے انہوں نے محاذ قائم کرکے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کردیں۔ پورے ملک میں ایک خلفشار سا نظر آتا تھا بنگلہ دیش کے قیام نے نظریہ پاکستان پر تو ضرب کاری لگائی

ہی تھی لیکن بقیہ پاکستان بھی ایک سوالیہ نشان بن گیا۔ سرحد و بلوچستان
میں نیپ کی حکومتیں پیپلز پارٹی کی قیادت کے لئے ایک مستقل خطرہ بنی رہیں
خاص طور سے جناب ولی خاں کو پنجاب و کراچی کی دائیں بازو کی قیادت نے
جس طرح ابھارنا شروع کیا وہ اقتدار کی رسہ کشی کی ابتدا ء بن گئی یہ دھمکیاں
ایک عام سی بات بن کر رہ گئیں۔ کہ اہم علیحدگی اختیار کر لیں گے سرحد و بلوچستان
اور کسی حد تک سندھ میں بھی ایسے نعروں کی گونج اکثر سنائی دیتی تھی
لیکن طاقت کا توازن وفاقی حکومت کے حق میں تھا اور پیپلز پارٹی کی عوامی
سطح پر مقبولیت بھی ایک ایسا عنصر تھی جو اس ملک کے مزید ٹکڑے ہونے میں
مانع تھی۔ سندھ کی صورت حال میں بھی جناب بھٹو کا پلہ بھاری تھا عوام کی
بھاری اکثریت ان کے ساتھ تھی اور سندھ کی علیحدگی کی تحریک کو آگے لیکر چلنے
والوں کی کامیابی مشکوک بن چکی تھی۔ اب سندھ کا فرزند پورے پاکستان پر
حکومت کر رہا تھا۔ سندھیوں کے حقوق کی ضمانت بھی حاصل ہو رہی تھی متوسط
طبقے کے لوگوں کے لئے ملازمتوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے ایسی صورت
میں سندھو دیش کی تحریک پس پشت چلی گئی اس دور میں بھٹو حکومت کیلئے
لا محدود اختیارات تھے۔ سندھ میں علیحدگی کی تحریک کو کچلنے کے لئے اس حکومت
نے جس فراخدلی کا مظاہرہ کیا وہ خود قیادت کے لئے ایک بڑا بحران بن کر ابھرا
سندھ میں آباد مہاجروں کا طبقہ جس کی زندگی کا انحصار تعلیم و ملازمتوں پر
تھا بڑی بے رحمانہ صورت حال سے دو چار ہوا کیونکہ مارشل لا کے دور
میں قائم ہونے والا کوٹہ سسٹم نوکریوں اور تعلیمی اداروں میں داخلے کیلئے
ایک مستقل حیثیت اختیار کر گیا پیپلز پارٹی کی قیادت نے بڑھتی ہوئی محرومی
اور ابھرتی ہوئی نفرتوں کو ختم کرنے کی کوئی جدو جہد نہ کی بلکہ صورت حال کو
اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے بھرپور استعمال کیا۔ لسانی فسادات
کے دوران جب مہاجروں کے ساتھ پنجابیوں کو بھی نشانہ بنایا گیا تو پنجابی

قومیت کے علمبرداروں نے نعرہ لگایا کہ ہمیں سندھی صدر نہیں چاہیئے اور حکومت نے تیزی سے اس بحران پر قابو پانے کی جدوجہد شروع کی۔ پنجاب کی آواز پر سندھ میں بسے ہوئے اہل پنجاب کو ایک طرح سے تحفظ حاصل ہوگیا۔ اور سندھ کے انتہا پسندوں نے ادھر سے اپنا رخ پھیر لیا لیکن مہاجر مستقل طور پر حکومت کی بے رحمانہ پالیسیوں کا نشانہ بنے رہے۔

سندھ کے علیحدگی پسند اور بنگلہ دیش

بنگال کی علیحدگی کی تحریک اور بنگلہ دیش کے قیام نے سندھ کے علیحدگی پسندوں کیلئے ایک نیا راستہ ضرور کھولا۔ قیام پاکستان سے لیکر اب تک فوج اور انتظامیہ میں اہل پنجاب کی بھاری اکثریت کے سبب پنجابی بورژوا طبقات نے ایک ایسا حکمران ٹولہ قائم کرلیا جو پاکستان کے اقتدار پر مکمل کنٹرول رکھے پاکستان کی دیگر قومیتوں کو ابتداء ہی سے یہ شکایت رہی کہ ان کے حقوق کو پامال کیا جارہا ہے اور ان کے علاقائی وسائل کو ملک وقوم کے نام پر ایک مخصوص خطے و طبقے کے مفاد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ حقیقت پسندانہ جائزہ پاکستان کی سیاسی صورت حال میں خطرناک رجحانات کی نشاندہی ابتداء ہی سے کرتا رہا لیکن حکمران طبقات کے مقاصد میں پاکستان یا پاکستانی عوام نام کی کوئی چیز نہ تھی بلکہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اور اپنے مفادات کا حصول ہی ان کا مطمع نظر رہا۔ اس صورت حال میں جب کہ جمہوریت کی جڑیں ابتداء ہی میں کاٹ دی گئیں اور طاقت کے ذریعے حکمرانی کو فروغ دیا گیا۔ ممکن ہی نہ تھا کہ وفاق کے مقاصد پورے ہوسکیں اور اس کا منطقی نتیجہ یاسیت محرومی اور غصے کے علاوہ علیحدگی پسندی کے جذبات کی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔ قومی ترقی میں مساویانہ حصہ اور قومی زندگی میں مساوی حیثیت کو جس قدر بھی پامال کیا گیا اتنا ہی پاکستان کی وحدت اور فکری اساس

کھوکھلی ہوتی چلی گئی ۔ مارشل لا اور مارشل لانے پاکستان کی قومی زندگی کی حقیقتوں
کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ طاقت و تشدد کے ذریعے جغرافیائی وحدت یا نظریاتی
سرحدوں کی حفاظت کا عمل شاید ایک حد تک ممکن ہو لیکن عوام کے دلوں
سے اگر والہانہ عقیدت و محبت ختم ہو جائے تو ٹوٹ پھوٹ کے عمل کے بعد
کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں ملتا موجودہ حالات میں بات اب اپنے
علاقوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے اور پاکستان کی بات صرف حکمرانوں
تک پائی جاتی ہے اور وہ بھی صرف تقاریر اور خطبات کی حد تک۔ ذہنوں کی
یہ تبدیلی اور شدید ردِ عمل ایک ایسا قومی سانحہ ہے جو اب بنگلہ دیش کے
المیہ سے بھی زیادہ افسوسناک اور اندوہناک ہے یہ اپنے پہلو میں اس ملک
کے محنت کش اور جمہوریت پسندوں کے لئے ایک مسلسل کشمکش اور بے چینی
لئے ہوئے ہے ہر لمحہ صورت حال کو نہ صرف مخدوش بنا رہا ہے بلکہ جمہوریت
پسند عوامی قوتوں کو مفلوج کر کے اسے مرکزی دھارے سے کاٹ رہا
ہے ارباب اقتدار بھی شاید اب اپنے مفادات و اغراض کی اسقدر مستحکم
کر چکے ہیں کہ انہیں سالمیت سے مزید دلچسپی نظر نہیں آتی اس سے زیادہ
اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہاں علیحدگی کی تحریک برسرِ عام چلتی ہے اور نیم وفاق
کی جدوجہد ہر روز ہی پریس کی زینت بنی رہتی ہے لیکن ارباب اقتدار کو اس
سے کوئی سروکار نظر نہیں آتا انکی نظر صرف اقتدار پر رہتی ہے ۔

سندھ میں علیحدگی کی تحریک کا پس منظر زیادہ پرانا نہیں تاہم موجودہ
صورت حال میں اس کی اہمیت اور گہرائی کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں
کیا جا سکتا ہے۔ یحییٰ خاں کے دور میں یہاں ایسے محرکات نظر آتے ہیں
جو اس امر کی نشاندہی کر سکیں جئے سندھ محاذ کے پس منظر میں اس کی ابتداء
ہوئی اور اس محاذ ہی کے ذریعے یہ تحریک ترقی کرتی رہی محاذ کے بانی
جناب جی ایم سید سندھ کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں سے اس قدر کبیدہ

خاطر ہو چکے تھے کہ انہوں نے آخر کار سندھو دیش ہی کو اپنی منزل قرار دیا
یہ ایک تاریخ کا افسوسناک باب ہے بلکہ ایک مذاق ہے کہ جو رہنما سندھ اسمبلی
میں پاکستان کی قرارداد پیش کرنے کی سعادت رکھتا ہو آگے چل کر اس سے
علیحدگی کو اپنی منزل قرار دے۔ جیئے سندھ محاذ سندھ کی نوجوان نسل کا محور
ثابت ہونے لگا سندھ یونیورسٹی کے طلبا میں اس کا اثر ورسوخ اسقدر بڑھا
کہ تمام طلبا تنظیموں کو اس نے کاٹ کر رکھ دیا۔ ابتدائی مقاصد خواہ کچھ بھی رہے
ہوں اور نوجوان نسل نے مقصد کے لئے خواہ کتنی ہی بے لوث خدمات انجام
دی ہوں آگے چل کر یہ محاذ محض ایک رجعت پرست اور موقع پرست ادارہ
بن کر رہ گیا۔ سندھ کے مفاد پرست طبقوں اور وڈیرہ شاہی نے نوجوان نسل
میں جو بے راہ روی پیدا کی وہ مقصد کے حصول کی راہ میں سب سے بڑی
رکاوٹ بنتے چلے گئے۔ نوجوانوں کو دولت کے ذریعے غلط راہ پر ڈال دیا گیا
عورت، شراب، عیش وعشرت ان کی زندگی کا مقصد بن کر رہ گیا اس مقصد کے لئے
وسائل کی تلاش انہیں ایک نئے موڑ پر لے گئی۔ غنڈہ گردی، چوری ڈکیتی
اب ان کی زندگی کا ماحصل بن کر ظاہر ہوا۔ وڈیرہ شاہی نے جو پودا لگایا تھا
اب ایک تناور درخت بن چکا تھا۔ اور وسائل کے لئے بھی خود کفیل تھا اسی
لئے وڈیرہ شاہی سے احسان مندی کا جذبہ اتنا بھی شدید ہے وڈیرہ شاہی
کو اب بھی برا نہیں کہا جاتا اور اسے سندھی کلچر کا اٹوٹ انگ ہونے کا
تقدس مل چکا ہے جئے سندھ کے سیاسی محرکات کا تجزیہ یہ واضح کرتا ہے
کہ اس تحریک سے جئے سندھ اور مرے سندھی کا عنصر زیادہ نمایاں ہوتا
ہے حقیقت پسندانہ اور تنقیدی جائزہ مزید واضح کرتا ہے کہ سندھ کے
گوشے گوشے میں بسنے والے ہاری اور محنت کش طبقوں کے لئے اس تحریک
میں کوئی نرم گوشہ نہیں ہے انکی سماجی حالت و معاشی زندگی میں کسی
تبدیلی کے لئے محاذ کے پاس کبھی بھی کوئی پروگرام نہ تھا نوجوان نسل نے آگے

چل کر جس انداز کے مظاہرے کئے اس سے بھی محاذ کی مقبولیت ختم ہونے لگی اور محاذ کے نوجوانوں کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ وہ تشدد کے ذریعے تعلیمی اداروں پر اپنا تسلط قائم رکھیں۔ غنڈہ گردی کے بڑھتے ہوئے رجحانات نے یونیورسٹی کی علمی فضا کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا اور پاکستان کی دوسری قدیم یونیورسٹی کا معیار اسقدر پست ہو گیا کہ سوچ کر ہی شرم آتی ہے اس سے ملک کا نقصان ہوا ہو یا نہ ہوا ہو سندھ کی کمر ضرور توڑ دی گئی اور اب ڈگری یافتہ جاہلوں کی فوج سوہان روح بنی ہوئی ہے۔

جناب بھٹو کا المیہ اور نئے فوجی حکمران

جناب بھٹو کی حکومت کو ختم کر کے انہیں دار پر لٹکانے والے فوجی و سول عناصر جب مارشل لا کے تحت اقتدار پر قابض ہوئے تو تاریخ کا ایک اہم باب شروع ہوا مارشل لا کی بیساکھی کے سہارے چلنے والی دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں اور خاص طور سے جماعت اسلامی کے دن پھر گئے جماعت اسلامی، جناب بھٹو کے اقتدار میں آنے کے بعد ہی اس جدوجہد میں معروف ہو گئی تھی کہ کسی طرح ان کی طاقت کو چیلنج کے لئے فوج کو سامنے لایا جائے آخر کار قومی اتحاد، کے ذریعے اور اصغر خاں کی وساطت سے یہ موقع نصیب ہوا اور جماعت کی قدر و منزلت اسقدر بڑھی کہ اسے مارشل لا کی 'بی ٹیم' ہونے کا اعزاز حاصل ہو گیا۔ ان جماعتوں کے تعاون سے حکمران طبقات نے تشدد کے ذریعے اپنے سیاسی حریف کو دار پر لٹکا کر ایک نئی روش کی ابتدا کی جسکی انتہا کب اور کس طرح ہو گی تاریخ ہی بتا سکے گی۔ جناب بھٹو کے خلاف چلائی جانے والی قومی اتحاد کی تحریک کا مرکزی و ابتدائی محور سندھ کی شہری آبادی بنی رہی ان کے خلاف دھاندلیوں کا الزام عائد کیا گیا جبکہ قومی اتحاد کے مضبوط

مراکز حیدرآباد و کراچی میں قومی اتحاد کے نمائندوں ہی کو کامیابی ذاکثریت حاصل ہوئی۔ ان ہی شہروں کو جناب بھٹو کے خلاف بھرپور استعمال کیا گیا جناب بھٹو کے دور میں ہونے والی سماجی و معاشی زیادتیوں کا دائرہ کار اس قدر وسیع تھا کہ پاکستان کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا جائے۔ لیکن جماعت اسلامی کے خول میں بند مہاجر ذہنیت سوچنے اور سمجھنے سے عاری نظر آتی تھی اور نظریہ پاکستان کی چیمپئن شپ کے مقابلے میں پیش پیش رہنے کی جدوجہد انہیں لے ڈوبی جناب بھٹو کو اقتدار سے الگ کر کے ان پر اور ان کے خاندان پر جو مظالم توڑے گئے اس کا سندھ پر شدید ردعمل ہوا لیکن اس کے برعکس پھانسی کے بعد اکثر شہروں میں جماعت اسلامی سے منسلک عناصر نے مٹھائیاں تقسیم کیں۔ ایک طرف جشن اور دوسری طرف سندھ کے گوشے گوشے سے درد بھری کراہ سننے میں آئی اس صورت حال میں سندھ کے انتہا پسندوں کو ایک نیا موقع ہاتھ لگا سندھی قوم پرست طبقات جواب تک شدت پسندی سے گریز کر رہے تھے یہ رویہ اپنانے پر مجبور ہو گئے آرمی چیف آف اسٹاف کی کرسی کی طاقت کا اعلان اور مارشل لا کے بار بار عمل نے نہ صرف قوم پرستوں کو بلکہ جمہوریت پسند قوتوں کے عزم واعتماد کو بری طرح مجروح کیا سندھ میں علیحدگی کی تحریک اب انتہا پسندانہ تحریک نہ رہی بلکہ سندھ کے ساتھ افسوسناک رویہ کے خلاف ایک واحد حل بن کر ابھری سندھ کے دانشور، جمہوریت پسند قوتیں طلباء اور محنت کش اب اس سے ہٹ کر کچھ سوچنے کے لئے تیار نہیں۔ صورت حال میں اسقدر گہرائی پائی جاتی ہے کہ اسلام آباد سے نجات کے لئے اب کسی بھی عملی اقدام سے گریز نہیں کیا جائے گا اس کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اسلام آباد پر قابض حکمران طبقہ صرف طاقت اور تشدد کی زبان جانتا ہے اور دوسری ... کو اپنی شرائط پر خود سے منسلک رکھنا چاہتا ہے اس طرح اب نظریہ پاکستان وہ کچھ نہیں رہا جس کی تشریح بانی پاکستان نے قیام پاکستان کے وقت

دستور ساز اسمبلی میں کی تھی اور نہ ہی فکری اساس رکھنے والے دانشوروں کی کاوشوں کو اہمیت رہی۔ اب نظریہ پاکستان وہ کچھ بن گیا جس پر فوج اور جماعت اسلامی کی بلا شرکت غیرے اجارہ داری ہے۔ اب یہ موجودہ حکمرانوں کا سب سے اہم ہتھیار بن گیا جس کے زخموں کی گہرائی کا اندازہ بھی مشکل ہے۔ موجودہ سیاسی فضا اور رویہ مایوسیوں اور ناامیدیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اب انتہا پسندوں کے ساتھ ساتھ قوم پرستوں، جمہوری و ترقی پسند طاقتوں کے لئے نجات کے راستے محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ سندھ کی سیاسی فضا میں جو گھٹن پائی جاتی ہے روز بروز اس میں شدت پیدا ہوتی جا رہی ہے سندھ کی نوجوان نسل جس انتشار و بے چینی میں مبتلا ہے اس کے کرب کو سمجھنے کے لئے ایک ہوش مند ذہن اور ایک فراخ دل کی ضرورت ہے۔

اب یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ سوچ کے اعتبار سے سندھ علیحدگی کے آخری موڑ پر ہے۔ سندھ کے دانشور، محنت کش اور عوام سب ہی اس افسوسناک نتیجے پر پہنچ کر حالات سے سمجھوتہ کر چکے ہیں سندھو دیش کے قیام کی جدوجہد میں تیزی آتی جا رہی ہے تاہم انتہا پسند عناصر جنہیں اس تحریک پر پوری طرح غلبہ حاصل ہے سیاسی حالات کا پوری طرح اور ایمانداری سے تجزیہ نہیں کرتے انہیں یہ امید ہے کہ غیر ملکی طاقت کی مدد سے وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لیں گے لیکن بساط سیاست پر چلائی جانے والی شطرنج کی چالیں اسقدر سہل اور آسان نہیں۔ خود فریبی کے جال سے نکل کر حالات کے حقیقت پسندانہ جائزے سے صورت حال کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے جو مستقبل کے فیصلوں کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ اس طرح گوناگوں مسائل کے حل کے لئے عملی اقدامات بھی کئے جا سکتے ہیں۔ بنگلہ دیش کا قیام سندھ کے انتہا پسند عناصر ایک مشعل راہ ضرور بنی لیکن بنگلہ دیش کے حالات اور سندھ کے سماجی و سیاسی پس منظر میں زمین و آسمان کا فرق ہے بنگلہ دیش

کی آبادی ایک زبان، کلچر اور نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ اپنے تاریخی پس منظر میں یہ خطہ ابتدا ہی سے سامراج کے خلاف متحرک رہا ان میں جنگجویانہ صلاحیتیں بھی موجود تھیں اور پاکستان کے جغرافیائی حالات میں طاقت کا توازن بھی ان کے ہی حق میں تھا۔ اردو دان طبقہ اور پنجابیوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی اقلیت ان کے عزائم کو ناکام نہیں بنا سکتی تھی۔ پاکستانی فوج کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ بین الاقوامی صورت حال میں امریکی پالیسیوں کے لئے بنگلہ دیش ہی اب زیادہ موزوں تھا۔ ہندوستان کی فوجی برتری سے نہ صرف ہندوستان بلکہ امریکہ کے مقاصد بھی پورے ہو رہے تھے بنگلہ دیش کا قیام ممکن تھا لیکن اس کا اطلاق سندھ پر نہیں کیا جا سکتا۔ سندھ کے سماجی و سیاسی حالات میں یہ ممکن نظر نہیں آتا سندھ پنجاب سے ملحقہ صوبہ ہے اور ان کے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ بھی نہیں پائی جاتی۔ پنجاب طاقت کا سرچشمہ ہے اور سندھ پر پوری طرح حاوی ہے۔ سندھ کی آبادی کا نصف حصہ باہر سے آنے والوں پر مشتمل ہے مہاجر اپنے جہاز جلا کر اس خطے میں مستقل طور پر آباد ہو چکے ہیں یہ ایک بڑی اقلیت ہیں اور ایک عرصہ تک سندھ کے بڑے شہروں پر ان کی اجارہ داری بھی قائم رہی۔ ہندوستان سے تبادلہ آبادی کا سلسلہ بہت پہلے روک دیا گیا لیکن پنجاب اور شمالی علاقوں سے لوگوں کی جوق در جوق آمد کے سلسلے نے سندھ کی آبادی کے تناسب کو بڑی حد تک بدل دیا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے جو سندھ میں بسنے والوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ سندھ کے دانشوروں میں پایا جانے والا یہ خوف بھی حقیقت پسندانہ ہے کہ تیس لاکھ افغان مہاجرین کی آخری منزل بھی سندھ ہو گی اس عمل سے جو صورت حال پیدا ہو گی سو چکر بھی وحشت ہوتی ہے کیونکہ حکومت وقت کی نظر میں [illegible] کو ہی اپنے نشانے کا ہدف بنایا جا سکتا ہے۔ ان کی پشت پر کوئی بھی

سیاسی طاقت نہیں اور یہ بے یار و مددگار حالات کے رحم و کرم پر ہیں۔ ان کی منتقلی اب انسانیت کے نام پر بھی ممکن نہیں کیونکہ سندھ کا اعتراض حکمران طبقے کے لئے ایک اہم جواز ضرور فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ آبادی کے ساتھ ساتھ سندھ کے لوگوں میں فوجی تربیت کا نقدان ہے کہ وہ وقت آنے پر ہتھیار سنبھال کر اپنی آزادی کی جنگ لڑ سکیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بیرونی طاقتیں ایسی تحریکوں کی مالی و مادی امداد تو کر سکتی ہیں لیکن ابتداء ہی سے ایسی جنگوں میں شرکت سے گریز کرتی ہیں وہ دوسروں کی جنگ خود کیوں لڑیں ان کے لئے ایک اہم جواز فراہم کرتا ہے اور وہ اپنی تمام تر ہمدردیوں کے باوجود ایسی جنگ میں براہ راست مداخلت سے گریز کرتی ہیں۔

فوجی آمریت اور سندھ کا ردِ عمل

جناب بھٹو کو راہ سے ہٹانے کے بعد اپنے اقتدار کو مکمل طور پر مستحکم کرنے کے لئے حکمران طبقات نے کئی اہم اقدامات کئے انہوں نے اپنے مفادات کے پس منظر میں اپنے آمرانہ مزاج کے حوالے سے جمہوریت کی بحالی کا گھناونا پروپیگنڈہ شروع کیا جبکہ سندھ میں جناب بھٹو کی موت کا زخم ابھی بھرا بھی نہ تھا۔ یہاں کی بیشتر آبادی انتخاب کی گہما گہمی سے عملاً الگ رہی۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی سے بھی اسے نہ تو خیال خاطر میں لایا گیا اور نہ ہی تیسری دنیا کے ممالک کے انتخابی مزاج کے مطابق اس انتخاب میں گرمجوشی پیدا ہو سکی آگے چل کر ملک کی سیاسی جماعتوں میں سے کچھ نے جمہوریت کی بحالی کے لئے ایم آر ڈی تشکیل دیکر حکمرانوں پر دباؤ ڈالنے کا عمل شروع کیا سیاسی جماعتوں کا حکومت کے خلاف اتحاد پاکستان کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ ایوب خاں کے دور میں

سی۔او۔پی اور جناب بھٹو کے دور میں پی۔این۔اے کے بعد ایم۔آر۔ڈی کا قیام بھی اسی تسلسل کی ایک کڑی ہے یہاں تک کہ پیپلز پارٹی بھی اس اتحاد کی رکن بنی ہوئی ہے یہ الگ بات ہے کہ تمام سیاسی جماعتیں مل کر بھی حکمران طبقات اور حکمران جماعت کا کچھ نہیں بگاڑ پائی ہیں۔ اسی طرح ایم آر ڈی بھی، پی پی سی کے ذریعے بیانات و مطالبات کے علاوہ ابتدا میں کوئی خاص کردار ادا نہ کرسکی۔ لیکن ۱۹۸۳ء میں بلدیاتی انتخابات کے موقع پر ایم۔آر۔ڈی کی انتخاب کے بائیکاٹ کی تحریک اور حکمرانوں سے جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ ایک نیا رخ اختیار کرگیا۔ اصولی طور پر جمہوریت کی اس تحریک کا عملی نتیجہ اب بھی برآمد نہ ہوسکا۔ پنجاب نے خود کو قراردادوں تک ہی محدود رکھا جبکہ سندھ میں انتخابات کے بائیکاٹ کی فضا ایک نیا رخ اختیار کرنے لگی۔ سندھ کے نوجوانوں نے آگے بڑھ کر حکمرانوں سے ٹکر لے لی۔ سندھ کے جیلوں میں جب جگہ نہ رہی تو دوسرے علاقوں میں بھی انہیں پابند سلاسل کیا گیا۔ طاقت و تشدد کے ذریعے نوجوانوں کو کھر پور کچلنے کا عمل شروع ہوا فوجی عناصر اور فوجی ذہن نے ایک بار مزید یہ ثابت کیا کہ دوسرے علاقوں کے لوگوں کے لئے ان کے دل میں نہ تو محبت ہے اور نہ ہی عزت۔ سندھ پر فوجی تشدد سے پہلے بلوچستان اور بنگال میں یہ عمل دھرایا جاتا رہا تھا۔ سندھ کے نوجوانوں پر غداری کا لیبل لگا کر جس ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا افسوسناک ہی نہیں شرمناک بھی ہے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے گولیوں کی بارش سے کتنی معصوم جانیں ضائع کی گئیں اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے اس بے رحمی کے ردعمل میں پورا سندھ سرتاپا احتجاج بن گیا۔ سندھ کے گوشے گوشے سے فوجی کارروائیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونے لگیں۔ حکومت کے حاشیہ بردار سندھ کے نمائندے بھی اس صورت حال سے پریشان ہوئے اور مہاجروں میں بھی کسی حد

تک اس کا ردعمل ہوا اور مہاجر رہنماؤں نے بھی احتجاج میں حصہ لے کر حقیقت پسندی کا ثبوت دیا۔ سماجی کارکن اور محنت کشوں کے نمائندے اس کے ردعمل میں ایک دوسرے سے قریب ہونے لگے لیکن جماعت اسلامی اور اس کے حاشیہ بردار ذہنیت کے لوگ، حکومتِ وقت کے کاندھے پر سوار اب بھی جمہوریت کے ان سرفروشوں کو غدار قرار دیتے رہے۔ تاہم یہ صورت حال حکمران طبقے کے مفاد میں نہ تھی۔ جلد ہی سندھیوں میں احساس محرومی کا پتہ چلا لیا گیا۔ ہلکی پھلکی مراعات کا اعلان کیا گیا اور سندھ کے مفاد پرست اقتدار کی دہلیز پر سرنگوں ہو گئے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ۱۹۸۳ء کی ایم آر ڈی کی تحریک کا مرکزی محور سندھ اور صرف سندھ رہا۔ ہمارے دور کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دیہی آبادی نے طاقت و تشدد کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنی دھرتی کے تقدس کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کی۔ انہوں نے اپنے جمہوری حق کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ تحریک کو کچلنے کے لئے جس بہیمانہ رویے کی نمائش کی گئی اس سے سندھ کے انتہائی سنجیدہ طبقے بھی اپنی تمام تر اُمیدیں کھو بیٹھے۔ اب یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سندھ کے عام و خاص اس مملکت خداداد سے اپنا رشتہ ہمیشہ کے لئے توڑنا چاہتے ہیں۔ سندھ کے تمام سیاسی حلقوں میں سوچ کا محور تقریباً یہی بن چکا ہے۔ کب اور کس طرح اب یہ آگے کی بات نہیں رہی لوگ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر سندھ کے سیاسی حلقوں میں حقیقت پسندی کا عنصر بھی کسی حد تک اپنا کردار ادا کرنے لگا ہے۔ سندھ کے دانشوروں سیاسی حلقوں اور قوم پرستوں کا مقصد اب صرف پنجابی بورژوا کے استحصال سے نجات ہے وہ اب نہ پنجاب کے ساتھ منسلک رہنا چاہتے ہیں اور نہ ہی انہیں اپنے علاقوں میں دیکھنا چاہتے ہیں نفرتوں کی دیواریں جو بورژوا طبقات نے

بلند کی ہیں، محنت کشوں کو کن حالات سے دو چار کریں گی، وقت ہی بتا سکتا ہے
پنجاب کے خلاف تشدید، و تحریک کسی بڑے خونی ڈرامے کو جنم دے سکتی ہے
مارشل لا کے سائے میں پنجاب کے لوگوں کے اضافے نے سندھ کے قوم پرستوں
کو اور بھی چراغ پا کر کے رکھ دیا ہے اور اس صورت حال کو وہ مزید برداشت کرنے
کے حق میں نہیں۔ اس صورت حال کا دوسرا رخ مہاجر طبقوں کے مزاج میں پیدا
ہونے والی تبدیلی بھی ہے جو اب ایک نیا رنگ اختیار کر رہی ہے۔ جناب بھٹو
کے خلاف مہاجروں نے جو کردار ادا کیا وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ پنجابی بورژوا
اور جماعت اسلامی کی رجعت پرست سیاست کے مارے ہوئے یہ لوگ ایک مدت
تک اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ حکومت کی تبدیلی سے ان کے حقوق کی
ضمانت حاصل ہو جائیگی۔ لیکن یہ خوش فہمی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ مارشل
لا کے نفاذ کے فوراً بعد تباہ کن بارشوں کے سلسلے نے ملک میں کئی جگہ تباہی
مچائی۔ فوج کے حکمران نے کوئٹہ اور ملتان کے نقصانات کا جائزہ لینے کے لئے
وہاں کے دورے کئے اور امدادی اغراض کے لئے خطیر رقومات کا اعلان کیا۔
اپنے دورے کے دوسرے مرحلے پر فوجی حکمران جب لطیف آباد کی بستی حیدرآباد
میں آئے تو اس سرزنش کے ساتھ واپس ہوئے کہ اگر ایک ایک بالٹی پانی بھی لوگ
نکال لیتے تو علاقے کو تباہی سے بچایا جا سکتا تھا بعد ازاں موصوف کراچی بھی تشریف
لے گئے جہاں بارش کی تباہ کاریوں کا بچشم دید معائنہ فرمایا۔ اسی موقع پر جناب
غلام مصطفےٰ جتوئی نے ایک بیان دیتے ہوئے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا تھا کہ
بارشوں کا سلسلہ ان کی حکومت کے دور میں رونما نہ ہوا ورنہ سارا الزام بھٹو
حکومت اور پیپلز پارٹی کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا۔ مہاجر ذہن کا خوش آئند
خواب بکھر گیا اب ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھانے
کی اجازت بھی نہ تھی اور فوجی حکمرانوں و پنجابی بورژوا طبقات کے مفادات
کا نشانہ بنے ہے بعد ازاں فوجی حکمران نے بہاریوں کو بھکاری ٹھہرا کر

پاکستان کے پس منظر میں مہاجروں کی حیثیت کو واضح طور پر متعین کر دیا۔
سندھ کی صورت حال کے پس منظر میں، مہاجروں میں بھی ایک ایسا طبقہ ابھرنے لگا جو جماعت اسلامی اور نظریہ پاکستان کے خول سے باہر نکل کر حقیقت پسندی سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ نے اس طبقے کو ایک نئے موڑ پر لاکر کھڑا کر دیا۔ اپنی زمین سے رشتہ توڑنے کے بعد نہ صرف ان کی پہچان کھو گئی بلکہ لفظ مہاجر ان کے لیے ایک گالی بن گیا۔ اس طبقے کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ ان کی اولادیں جو یہاں پیدا ہوئیں، پرورش پائی، ان کے لیے لالو کھیت، ناظم آباد اور لطیف آباد کی گلیاں ہی سب کچھ ہیں اس سے آگے ان کے لیے کوئی منزل نہیں۔ انہیں یہ صورت حال مزید گوارا نہیں۔ ابتداء میں سندھ انکی پناہ گاہ لیکن آگے چل کر سندھ انکا وطن بن گیا وہ زیادتیوں اور ناانصافیوں کے باوجود سندھ سے کٹ کر الگ نہیں رہ سکتے۔ ان کی سوچ میں ایسی تبدیلی کے واضح اشاروں کے باوجود سندھی مہاجر یکجہتی کو واضح اور نمایاں حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ مفاد پرستانہ ذہنیت کے علمبردار اور گروہی سیاست کے رہنما بڑی جانفشانی سے ان دونوں کے درمیان رکاوٹ کی دیوار بنے ہوئے ہیں لیکن شمال سے آنیوالوں کا لامتناہی سلسلہ اور مارشل لا کے ذریعے جمہوری اقدار اور عوامی حقوق کی پامالی نے نفرتوں کی دیواروں میں دراڑیں ضرور ڈال دی ہیں اس طرح اگر مہاجروں کے رویئے میں تبدیلی آرہی ہے تو دوسری طرف سندھ کے دانشوروں اور قوم پرستوں کو بھی یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ مہاجروں سے بگاڑ سندھ کے مسائل کو مزید الجھا دے گا۔ عوامی سطح پر ابھرنے والے اکثر رہنماؤں نے مہاجروں کے حق میں دلیل بھی دینی شروع کر دی ہے ان کا کہنا ہے کہ مہاجر اپنے خطے اور اپنے وطن سے کٹ کر یہاں آباد ہوا اور اس کے پاس واپسی کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ جو کچھ کماتا ہے

یہیں خرچ کرتا ہے۔ وہ سندھ کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتا رہا ہے۔ اسکا
کوئی آبائی قبرستان نہیں اور وہ اپنے مردے لیکر دور دراز علاقوں کا
رخ نہیں کرتا۔ ان دلائل کے حوالے سے یہ عنصر اب اس امر کی جدوجہد کر رہا
ہے کہ آنیوالے حالات سے نمٹنے کے لئے دونوں دھڑوں میں مفاہمت و
یکجہتی کو فروغ دیا جائے۔ اندرونِ سندھ اس رویہ کی تبدیلی کو ایک نمایاں
حیثیت حاصل ہوتی جا رہی ہے تعلیمی اداروں میں مہاجر طلبا اب ظلم و تشدد
کا نشانہ نہیں بنائے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف مہاجروں کی سوچ میں
پنجاب کے ساتھ اشتراک کے سلسلے میں واضح تبدیلیوں کے اشارے بھی
ملتے ہیں۔ اب اگر وہ سندھیوں کا ساتھ نہیں دیتے تو پنجاب کے مفاد پرست
سے خود کو الگ اور غیر جانبدار ضرور بنا لیتے ہیں۔ یہ تبدیلی کے لئے ابھی
شاید کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو لیکن پنجاب کے بورژوا و مفاد پرست طبقات
اس صورت حال کے پیش نظر زیادہ چراغ پا اور پریشان نظر آتے ہیں اور
سندھ کی سیاسی و معاشی صورتحال کے پیش نظر ان کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ ایسا
محسوس ہونے لگا ہے کہ جارحیت کی جنگ ہار کر مدافعانہ جنگ کی ابتدا ہو
چکی ہے جو سندھ کے مسائل کے حل کے لئے ایک خوش آئند نشان ہے
سندھ کے حقوق کے تحفظ کی جنگ میں اب سندھیوں کا پلہ بھاری ہونے
لگا ہے تاہم حکمران طبقات اسقدر جلد اور اتنی آسانی سے ہار ماننے والے
نہیں اور نہ ہی وہ ان وسائل کو چھوڑیں گے جن پر وہ ایک طویل مدت
سے قابض ہیں۔ اب اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ سندھ میں پائی جانے
والی بے چینی اور علیحدگی کے متعلق سوچ کی پختگی و تحریک حکمرانوں کے لئے
ایک سوہانِ روح ضرور بنی ہوئی ہے۔

قوم پرست اور موجودہ حالت

۱۹۸۳ء کی ایم۔آر۔ڈی کی تحریک کے جائزے سے

یہ واضح ہوتا ہے کہ سندھ میں جناب بھٹو، ان کے خاندان اور ان کی پارٹی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ حکومت کے تمام تر تشدد اور ظالمانہ کارروائیوں کے باوجود عوام میں ان کی مقبولیت میں کمی نہ آئی بلکہ مزید اضافہ ہوا۔ اس تحریک میں پی پی کی قیادت اور عوام نے حکمران وقت کے لئے مشکلات ضرور پیدا کیں۔ اسی دور میں سندھ عوامی تحریک کی مقبولیت بھی ابھر کر سامنے آئی سندھ عوامی تحریک کے رہنما جناب رسول بخش پلیجو اور جناب فاضل راہو نے ایم۔آر۔ڈی تحریک میں ایک نئی جان ڈال دی۔ عوام کی طرف سے گرفتاریاں پیش کرنے کے عمل میں سندھ عوامی تحریک بھی خاص طور سے پیش پیش رہی اور ٹھٹھہ و بدین میں اس کی جڑیں خاص طور سے بہت گہری نظر آئیں اسی دور میں سندھ عوامی تحریک کے مرکزی رہنماؤں کو پابند سلاسل کر کے اس تحریک کو مزید ابھرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔ جناب پلیجو ایک طویل مدت تک بائیں بازو کی سیاست سے منسلک رہ چکے تھے۔ ایوب خاں کے دور اقتدار میں جب سندھی بولی کے تقدس کو پامال کیا جانے لگا تو ان سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ بائیں بازو سے اپنا الگ رشتہ توڑ کر قوم پرست تحریک میں سرگرم عمل ہو گئے۔ قوم پرست تحریک میں ان کی شمولیت نے ایک نئے باب کا اضافہ کیا جناب پلیجو نے نوجوان نسل کو متحرک کر کے انہیں میدانِ عمل میں لانے میں ایک اہم کردار ادا کیا حکمران طبقات کے علاوہ ایک مدت تک سندھ میں بسے ہوئے مہاجر ان کی سیاست کا ہدف رہے۔ بنگلہ دیش کے قیام کے دور میں انہوں نے قوم پرستی کے حوالے سے عصبیت کو بھرپور ہوا دی۔ حیدرآباد بار میں "کوڑے کلیم" کے روزانہ تقسیم ہونے والے پمفلٹوں سے کچھ شدت پسند سندھی ذہنوں کو تو ضرور سکون حاصل ہوا مگر اس کے نتائج کچھ بھی نہ نکلے اس دور میں جو نعرے انہوں نے دیئے جناب

جی۔ ایم۔ سید پہلے ہی اس کی ابتدار کر چکے تھے۔ جناب بلیجو نے خود کو
قومی دھارے سے کاٹ کر اس قدر محدود کر لیا سندھ میں بھی ان کی
سیاست غیر موثر ہوتی چلی گئی جناب جی ایم۔ سید کے مقابلے میں انہیں
کوئی اہمیت اور حیثیت نہ مل سکی۔ اس کے علاوہ جناب بھٹو کی قائم کردہ
پیپلز پارٹی کا دائرہ کار اس قدر وسیع تھا کہ سندھ کی تمام تحریکوں اور رہنماؤں
کو اپنی لپیٹ میں لے گیا۔ سندھ میں جناب بھٹو کے سامنے کسی بھی سیاسی
جماعت یا سیاسی رہنما کا چراغ نہ جل سکا۔ اس طرح سندھ عوامی تحریک
کے رہنماؤں کو پی پی کے دور میں کوئی حیثیت نہ مل سکی فوجی حکومت کے
موجودہ دور نے سندھ عوامی تحریک کے خدوخال کو واضح طور پر ابھرنے
کے مواقع فراہم کئے اور وہ حالات پیدا کئے کہ تحریک کی مرکزی قیادت کو
قومی سطح پر ابھرنے کا موقع مل سکے۔

سندھ کی موجودہ صورت حال میں جناب پلیجو اور جناب فاضل راہو
اب ایک مستحکم حیثیت حاصل ہو چکی ہے جناب پلیجو اپنی نظر بندی کے ایام
میں "قومی پریس" کی توجہ نہ صرف زیادہ ہی حاصل کر سکے بلکہ ان کی سیاسی
حیثیت کو زیادہ ہی نمایاں کیا گیا۔ ایم۔ آر۔ ڈی کی تحریک کے دوران عوامی
تحریک کے عنصر کو جس قدر ابھارا گیا اور جو پبلسٹی اسے ملی وہ اس کے
رہنماؤں کو قومی سطح پر ابھارنے کے لئے کافی تھی لیکن جناب پلیجو کی
لال قلعہ میں نظر بندی سے انہیں مزید ہمدردیاں حاصل ہو گئیں۔ لال
قلعہ حکمران طبقات کی بیہمانہ پالیسی اور مزاج کا ایک اہم حصہ ہے۔ جبر و
تشدد کے حوالے سے اسے نہ صرف ملک میں بلکہ عالمی پریس میں بھی
بڑی شہرت ملی۔ اس سے قبل حسن ناصر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے
عوام پر اس کی حیثیت واہمیت واضح کر چکے تھے۔ جام ساقی و دیگر رہنما و
سیاسی کارکن بھی اس دور سے گذرے اور جناب پلیجو کو جب اس راہ

پر لایا گیا تو عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو گئیں۔ سندھ میں ایم
آر۔ ڈی تحریک سے جہاں ایک طرف حکومت نے احساس محرومی دور
کرنے کے پروگرام پر عمل شروع کیا تو دوسری طرف پنجاب کے مفاد
پرست طبقوں نے جناب پلیجو کی شخصیت کو بھرپور ابھارنا شروع کیا۔
پنجاب کے دانشوروں کے لئے یہی باعثِ اطمینان رہا کہ وہ سندھ کے
ایک سپوت اور سندھ کے ایک نمائندے کے حق میں حکمرانوں کے خلاف
آواز بلند کر رہے ہیں اور انکی آواز کے نتیجے میں پنجاب کے خلاف ابھری
ہوئی نفرتوں کو دبایا جا سکتا ہے۔ تاہم حکمران طبقات کے عزائم کچھ
اور ہی نظر آتے ہیں۔ جناب پلیجو اور ان کی جماعت کے متعلق رویہ ہمیں
دوسرے انداز سے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ عوامی تحریک کے دستور سے
یہ واضح ہوتا ہے کہ اس تحریک کی رکنیت صرف سندھیوں ہی کے لئے
ہے۔ غیر سندھیوں کو اس میں شمولیت کی اجازت نہیں ان کی تمام تر توجہ
کا مرکز صرف سندھ اور سندھی عوام کے مسائل تک ہی محدود تھا۔ یہ
جماعت سندھی عوام کے مسائل کے حل کے لئے مارکسی نظریات واصولوں
کو بروئے کار لانا چاہتی ہے اور مارکسزم کا مطالعہ اس جماعت کے
کارکنوں کے لئے لازمی اور اہم بھی قرار دیا جاتا ہے جبکہ جس دائرہ کار
میں خود کو محدود کر کے یہ جماعت سرگرم عمل رہنا چاہتی ہے وہ مارکسی
سوچ سے نفی کے مترادف ہے اس کی کارکردگی کے حوالے سے سندھ
کے ہاریوں میں مزید کنفیوژن پیدا ہوا۔ سندھ ہاری تحریک ایک طویل
مدت تک جدوجہد کرنے کے بعد سندھ کے ہاریوں اور کسانوں میں
ایک نیا شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔ جناب حیدر بخش
جتوئی مرحوم کی تمام تر جدوجہد اور دیگر کارکنوں کی انتھک محنت کے
سبب شعوری بیداری کے عمل میں جب تیزی آنے لگی تو جناب پلیجو کی عوامی

تحریک نے سندھی ہاری تحریک کی بنیاد ڈال کر سندھ کے ہاریوں اور کسانوں کو تقسیم کر کے ہاری تحریک کا رخ ایک نئی سمت موڑ دیا۔ گویا صرف سندھی ہاریوں ہی کے مسائل قابلِ توجہ ہیں۔ اس طرح عوامی تحریک کے ابتدائی پروگرام میں انکی سیاست کا مرکز سندھ اور صرف سندھ رہا خواہ داخلی خودمختاری کے حوالے سے یا مکمل خود مختاری کے تصور سے۔ لیکن ایم۔آر۔ڈی تحریک کے بعد اور خاص طور سے مارشل لا کے آخری دور میں عوامی تحریک کے مقاصد میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں جس قدر قومی پریس نے جناب پلیجو کی شخصیت کو ابھارا اتنا ہی عوامی تحریک کی ملک گیر حیثیت ابھرنے لگی۔ جناب پلیجو اور ان کے ہمراہیوں کو سندھ کے محور سے نکل کر ملکی سطح پر آنا پڑا۔ اس طرح سندھ عوامی تحریک کے خدو خال میں نئی تبدیلیوں کے امکانات پیدا ہونے لگے۔

۱۹۸۳ء میں ایم۔آر۔ڈی تحریک کے عوامل خواہ کچھ بھی رہے ہوں سندھ کی سماجی و سیاسی صورت حال پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے سندھ میں پی پی کی قیادت حکمران طبقات کے لئے ایک ایسا عنصر بن کر ابھری کہ مارشل لا حکمرانوں کو اپنی تمام تر بے رحمی کے باوجود خود کو مدافعانہ انداز میں پیش کرنا پڑا۔ یہ تحریک ملک گیر سطح پر زیادہ اہمیت حاصل نہ کر سکی۔ سرحد، بلوچستان خاموش رہے اور پنجاب کی قیادت نے کسی نمایاں کارکردگی سے گریز کیا۔ پی پی کی ہمہ گیر مقبولیت کے باوجود ان صوبوں میں خاموشی کے مختلف عوامل ہو سکتے ہیں سرحد و بلوچستان جناب بھٹو کے دور حکومت میں کافی سرگرم رہے اور ساتھ ساتھ ان صوبوں میں علیحدگی کی افواہیں بھی زیادہ گرم رہیں تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ پاکستان کے حکمران سندھ کی بگڑتی ہوئی صورت حال میں جب پوری طرح ملوث ہو کر کسی نئی صورت حال سے دو چار ہونگے تو یہ مغربی

صوبے وفاق کو خدا حافظ کہہ کر علیحدگی اختیار کریں گے۔ یہ صوبے صرف
مناسب وقت اور موقع کی تلاش میں ہیں تاہم پنجاب کی خاموشی
معنی خیز معلوم ہوتی ہے پنجاب کا بورژوا طبقہ جس کے تمام تر مفادات
فوجی حکمرانوں کے توسط سے محفوظ ہیں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتے
ہیں جو موجودہ صورت حال کو تبدیل کرے۔ لیکن پنجاب کا یہ محتاط رویہ
سندھ میں یاسیت اور ناامیدی کو فروغ دیتا رہا ہے۔ اس تحریک کے
پس منظر میں حکمران طبقات کو بھی اپنی حکمت عملی بدلنی پڑی۔ فوجی
حکمران کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ مارشل لا اٹھا کر جمہوریت نافذ کر دی جائے گی اس
پس منظر میں ریفرنڈم، غیر جماعتی انتخابات اور جونیجو حکومت کی بحالی
سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اس جمہوری، عمل میں جو پہلو زیادہ نمایاں
رہا وہ بلند بانگ دعوے تھے۔ حکومت کے کنٹرول میں پریس و دیگر
نشریاتی ادارے اقوام عالم کو یہ تاثر دینے کی جدوجہد میں اب تک
مصروف ہیں کہ ملک میں مارشل لا کو واقعی خیرباد کہہ دیا گیا ہے اور عوام
کی نمائندہ حکومت مضبوط جمہوری بنیادوں پر قائم ہو چکی ہے۔ جبکہ ۱۹۸۵ء
کا دستور جمہوری اقدار کی بھرپور نفی کرتا ہے۔ فوجی حکمران کا صدر اور
چیف آف سٹاف کے عہدے سے بیک وقت چپکے رہنا سیاسیات کے
طلبہ کے لئے جدید دور میں ایک نیا تجربہ ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ
قرون وسطی کا دور تیزی سے واپس آ رہا ہے ان حالات میں جونیجو کو
وزیر اعظم بنا کر حالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے۔ جمہوریت کی نفی کے
مترادف ایک نیا دستور نافذ کر کے ایک ایسی حکومت کا قیام سندھ کے
عوام کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے پورے سندھ میں مارشل
لا حکمرانوں کے خلاف پائی جانے والی نفرتوں نے اب نئی حکمران جماعت
کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ سندھ کی موجودہ صورت حال میں

پی پی ہی ایک ایسی جماعت رہ گئی ہے جس پر اب تک سندھ کے عوام کا اعتماد ہے لیکن پی پی ہی کو ختم کرنے کی جدوجہد میں حکمران طبقہ اپنی حکمت عملی تبدیل کرتا رہتا ہے۔

حکمران طبقات کے ساتھ ساتھ فوجی حکمران جنہیں پاکستان کی سیاست میں ابتداء ہی سے بڑی اہمیت حاصل رہی کسی بھی قیمت پر اقتدار سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ وہ ملک کی سالمیت کو داؤ پر لگا سکتے ہیں لیکن اقتدار چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ مشرقی پاکستان کے المیہ سے ان طبقات نے کوئی مثبت نتائج اخذ نہیں کئے اور نہ ہی حقیقت پسندی سے حالات کا جائزہ لیکر تاریخ سے سبق سیکھنے کی کوشش کی۔ اپنے مقاصد و مفادات کے لئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں اور اس کا ثبوت جناب بھٹو کو راہ سے ہٹانے کے عمل سے پوری طرح واضح ہوتا ہے۔ اقتدار سے منسلک طبقات اب کسی قیمت پر یہ گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں کہ کوئی انکی ہمسری کا دعویٰ کرتے ہوئے انہیں چیلنج کرے۔ ملک میں بکھری ہوئی لاتعداد سیاسی جماعتوں کے پس منظر میں ان طبقات کو مضبوط بنیادوں پر اپنی گرفت قائم رکھنا زیادہ آسان ہو گیا تاہم تمام تر کوشش کے باوجود حکمران طبقات کے لئے پی پی کی قیادت اور بھٹو خاندان سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں۔ انہیں کچلنے کے تمام حربوں کے باوجود عوام میں اس کی مقبولیت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوا ہے۔ جو حکمرانوں میں مزید جھنجھلاہٹ پیدا کر رہا ہے جناب بھٹو سندھ کے سپوت تھے اور یہاں ان کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ سندھ کی سیاسی صورتِ حال کو گنجلک بنا کر حکمران شعوری کوشش کی۔ سندھی مہاجر کے وسیع تر دائرہ کے پس منظر سے الگ اس خطہ میں رنگ، نسل، مذہب، زبان، کلچر اور فرقہ وارانہ تضادات کو بھر پور ابھارا گیا۔ اختلافات کی خلیج کو اس قدر وسیع تر کر دیا گیا کہ عوام متحد ہو کر حکمرانوں کے لئے کوئی خطرہ نہیں پیدا کر سکتے۔ اس طرح جہاں ان تضادات

کو ہوا دے کر بھرپور فائدہ اٹھایا گیا تو دوسری جانب سیاسی سطح پر ایسے انتظامات بھی جاری رہے جو سندھ کی سیاسی فضا کو حکمران طبقات کے مفادات کے مطابق ہموار کرے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ پی پی اور بھٹو خاندان کا مقابلہ براہ راست فوجی حکمرانوں سے ہے۔ پی پی اور بھٹو خاندان کو عوام کی حمایت حاصل ہے جبکہ فوجی حکمران فوج اور امریکی سامراج پر تکیہ کیئے ہوئے ہیں اور اس میں ہی اب شاید ان کی بقا رہ گئی ہے۔ اس طرح ملکی سیاست میں ایک نہ ختم ہونے والی رسہ کشی اور کشمکش جاری ہے ناکامی کی صورت میں پھانسی کا پھندہ ہی مقدر نظر آتا ہے۔ یہ صورتِ حال اور بھی تشویشناک ہوتی جارہی ہے۔ سندھ کی سیاست کو اپنے قابو میں لانے کے لئے سندھ کے رہنماؤں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ حکمران طبقات نے یہ اندازہ لگانے کی بھرپور کوشش کی کہ ایسے عوامل کا پتہ لگایا جائے جو سندھ کی سیاست سے پی پی پر بھٹو خاندان کی قیادت کو ختم کرکے رکھ دے۔ قوم پرست تحریک کی ہمہ گیر مقبولیت کے پس منظر میں اب حکمرانوں نے ایسی جماعتوں اور رہنماؤں کو سرگرم رہنے میں مدد دی جو پی پی کی بھٹو خاندان کی اجارہ داری کو ایک چیلنج فراہم کرسکیں۔ دائیں بازو کی جماعتوں میں مسلم لیگ، پیر صاحب پگارہ کے زیر اثر اندرون سندھ کبھی کوئی خاص سیاسی کردار ادا نہ کرسکی۔ لیکن جناب جی ایم سید سندھ کی داخلی سیاست میں اب بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں سندھ کے لوگوں اور خاص طور سے نوجوانوں میں اب بھی ان کی مقبولیت زیادہ کم نہیں ہوئی۔ پی پی سے اختلافات کے پس منظر میں جناب جی ایم سید اور ان کے حلقہ اثر میں رہنے والے نوجوان پی پی کی قیادت سے ٹکر لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور عوام کو تقسیم کرکے حکمران طبقات کے لئے آسانیاں بہم پہنچا سکتے ہیں۔ یہی کیفیت سندھ عوامی تحریک کی ہے۔ یہ جماعت اور اس کے

رہنما پی پی کی قیادت کو چیلنج کرتے ہوئے عوام کے دھڑوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر کے حکمرانوں کی حکمت عملی کو بڑی حد تک کامیابی سے ہمکنار کر رہی ہے جناب جی۔ ایم سید اور جناب بیجو کے متعلق فوجی حکمرانوں اور حکمران طبقات کا رویہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے ان کے حوالوں سے سندھ کی اندرونی صورت حال میں پی پی کے اثر و نفوذ کو بے معنی بنا کر اسکی قیادت کو ختم کر کے رکھ دیا جائے گا۔ لیکن کیا پی پی اور بھٹو خاندان کی اجارہ داری ختم ہو جائیگی ایک نہایت ہی اہم اور مشکل سوال ہے۔

سندھ کی سیاست میں پی پی کے گہرے اثرات کو ختم کرنے کے لئے حکمران طبقات نے اب اس کی اندرونی قیادت پر بھی شب خون مارا۔ اب حکمران فوجی رہنماؤں اور بھٹو خاندان کے درمیان طویل جدوجہد ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ بیگم بھٹو اور مس بے نظیر ایک طویل مدت تک پاکستان بدر رہ کر بین القومی فضا کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہیں۔ مغربی ممالک اور امریکی سامراج ان کی سیاسی اہمیت کو کسی بھی قیمت پر نظر انداز نہیں کر سکتا تھا اس خاندان کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے کے لئے مختلف حربے بھی استعمال کئے گئے۔ شاہنواز بھٹو کا قتل بھی اسی کی ایک کڑی معلوم ہوتا ہے اس طرح پی پی کی قیادت، جو ایک آزاد خارجہ پالیسی کے حق میں تھی اپنے بین الاقوامی رویے میں خاطر خواہ تبدیلی لے آئی۔ صدر سادات کی اسرائیل کے دورے کے وقت بیگم بھٹو ہی وہ واحد سیاسی شخصیت تھیں جنہوں نے فوری بیان کے ذریعے اس کی مذمت کی اور عرب اتحاد کے لئے ایک سانحہ قرار دیا جبکہ قومی اتحاد کے رہنماؤں نے خاموشی اختیار کئے رکھی اور مارشل لا حکمرانوں نے بھی کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا افغان انقلاب کے بعد جنوب مغربی ایشیا کی بدلتی ہوئی صورت حال پر بھی پی پی کی قیادت کا ایک واضح نکتہ نظر رہا۔ بیگم بھٹو کے سابقہ بیانات

سے اس امر کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ افغانستان کی صورت حال پر
پی پی کی قیادت اپنے قومی مفادات اور حق و صداقت کے تقاضوں کے
پیش نظر واضح پالیسی اختیار کئے ہوئے تھی لیکن فوجی حکمرانوں تشدد آمیز
کارروائیوں اور سامراج کے وسیع تر ذرائع کے پیش نظر پی پی کا پورا کردار
اب ایک نئے دور میں داخل ہو چکا ہے مس بے نظیر کی متعدد بار امریکی
حکمرانوں اور سیاسی حلقوں سے مذاکرات و ملاقات کے بعد اب افغان پالیسی
پر پی پی کی قیادت سامراج کی ہم خیال نظر آتی ہے۔ پاکستانی حکمرانوں اور
امریکی جنگ بازوں کی شرائط پر افغان مسئلہ کا تصفیہ اب پی پی کی قیادت
کا بنیادی اصول بن کر ابھر رہا ہے۔ اس طرح مس بے نظیر امریکی سیاسی
حلقوں کو یہ باور کرانے میں کسی حد تک ضرور کامیاب ہوئیں کہ وہ اور
ان کی سیاست جماعت امریکی مفادات کے لئے کوئی خطرہ نہ ہوگی فوجی
حکمرانوں کو الگ کر دینے کی صورت میں عوام میں واضح مقبولیت اور ساکھ
کے پیش نظر پی پی امریکی مفادات کو بہتر طور پر محفوظ رکھ سکتی ہے مغربی
ممالک میں پناہ گزیں پی پی کے رہنما اور بھٹو خاندان کے اہم سیاسی ستون
مس بے نظیر کسی حد تک امریکی حلقوں میں ایک نرم گوشہ پیدا کرنے
میں کامیاب ضرور ہوئیں۔ وہاں کے سیاسی حلقوں کی ایک اہم لابی
اب مس بے نظیر کے حق میں بھی نظر آتی ہے تاکہ اقتدار پی پی کو واپس کر دیا
جائے لیکن ابھی یہ لابی بہت زیادہ مضبوط نظر نہیں آتی۔ امریکی سیاست
میں فی الحال ریپبلیکن پارٹی ہی کو اہمیت حاصل ہے جس میں رجعت پرستی
اور جنگی جنون کی کیفیت زیادہ نمایاں رہی ہے امریکی صدر ریگن سرد
جنگ کے حوالوں سے دنیا کو ایک ایسے موڑ پر لے آئے ہیں جہاں تیسری
جنگ عظیم کے خطرات ہو چکے ہیں۔ اس جماعت کی سوچ و فکر میں مس بے
نظیر اور ان کی سیاسی جماعت کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور

مفادات و مقاصد کے تحفظ و اصول میں فوجی حکمران ہی زیادہ موزوں و بہتر ہیں ۔

افغان انقلاب کے پس منظر میں بدلی ہوئی فضا اور سندھ کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو امریکی حکمران بھی تشویش کی نگاہ سے دیکھنے کے لئے مجبور ہوئے امریکہ اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ افغانستان میں روس کی گرفت مسلم اور مستحکم ہو چکی ہے اپنی سرحدوں سے اس قدر قریب روس کسی بھی ایسے خطرے کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دے سکتا جو آگے چل کر طاقت کے توازن کو بدل کر رکھ دے۔ امریکی صحافت کے اہم ستون بھی جنوب مغربی ایشیاء کی بدلتی ہوئی صورت حال سے بخوبی واقف ہیں اور انہوں نے اس دلیل کو رد کر دیا کہ افغانستان میں پیدا ہونے والی خانہ جنگی روس کا ویت نام ثابت ہوگی۔ افغانستان، ویت نام کا درجہ نہیں حاصل کر سکتا ہے اس کی قیادت میں کوئی ہوچی منہ نہیں جو صورت حال پر چھا جائے اس پس منظر میں امریکی جنگ باز ادارے و رہنما اب اس کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں کہ افغانستان انقلاب کے خلاف مزید شدت پیدا کی جائے تاکہ روس کی فوجی قوت پر دباؤ ڈالا جا سکے اور روسی افواج خاک و خون میں لپٹی نظر آئیں اس سلسلے میں اور اس پالیسی کو پوری شدت کے ساتھ آگے بڑھانے میں پاکستان کے فوجی حکمران پیش پیش رہے اور ملک کی سرزمین کو امریکی مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کر کے حکمران نے ملک کو ایک بڑے خطرے سے دوچار کر رکھا ہے۔ افغانستان میں تصفیہ کے لئے ہونے والے مذاکرات پر امریکی حکمرانوں کی چھاپ گہری ہوتی چلی جا رہی ہے جبکہ ملک میں پھیلتے ہوئے اندرونی سماجی و سیاسی انتشار نے حکمران طبقے پر یہ واضح کر دیا ہے کہ مسئلہ کا منصفانہ حل ہی ملک کی آئندہ بقاء و سالمیت کی ضمانت دے سکتا ہے۔ افغان باشندوں کی کثیر اکثریت نے ملک کی آبادی پر زبردست دباؤ ڈال رکھا ہے معیشت پہلے ہی تباہ بھی

اسلحہ و ہیروئن کے کاروبار نے معاشی و سماجی طور پر ملک کو ایک خوفناک
صورت حال سے دوچار کر رکھا ہے ساتھ ہی اس حقیقت سے انکار بھی
نہیں کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ حکمران عوامی سطح پر نفرت و تضحیک کا
نشانہ بنے ہوئے ہیں اور ان کے حوالوں سے امریکہ ایک غیر پسندیدہ قوم
بن کر رہ گیا ہے۔ مارشل لا کے موجودہ دور میں ہونے والے جلسے و
جلوسوں میں شاید ہی ایسا کوئی عوامی احتجاج ہوگا جس میں امریکہ کو گالی
نہ دی گئی ہو یا امریکی پرچم اور صدر کا پتلا نذرِ آتش نہ کیا گیا ہو امریکہ
کے خلاف پھیلتی ہوئی نفرتوں سے امریکی دانشور اور سیاسی حلقے ایک نئی
صورت حال سے دوچار ہیں ایران میں امریکی پالیسیوں کی شکست اور اس
خطے سے امریکی اثر و نفوذ کا خاتمہ ایک ایسی مثال ہے جو انہیں اپنی پالیسیوں
پر نظر ثانی کے لئے مجبور کرتا ہے۔ فوجی حکومت کی کمزوری کے بعد اگر پاکستان
بھی ان کے چنگل سے نکل گیا تو ان کی عالمی حکمت عملی کو شدید دھچکہ لگے
گا۔ اور یہ شاید اس حادثے کے متحمل بھی نہ ہو سکیں اقوام عالم و تیسری
دنیا کے ممالک میں امریکی سامراج کے خلاف پھیلی ہوئی بے چینی پہلے
ہی امریکی مفادات کے لئے ایک خطرہ بنی ہوئی ہے ایسی صورت میں
پاکستان کے پس منظر میں ایک ایسی امریکی لابی ضرور پیدا ہو رہی ہے جو
اب گھوڑا بدل دینے کے حق میں ہے تاکہ عوام کی بڑھتی ہوئی نفرتوں
و غیض و غضب سے خود کو کسی حد تک محفوظ رکھ سکیں پی پی اور اس کی
قیادت میں مفاہمت کا رویہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے پی پی کے رہنما
مسز بے نظیر کی قیادت میں ایک ایسی حکومت کا قیام چاہتے ہیں جو فوجی
[illegible] پھیلی ہوئی نفرت اور سرکشی

لمحہ فکریہ بن گیا تھا۔ موجودہ صورت حال میں مس بے نظیر کی امریکی لابی سے مفاہمت افغان مذاکرات و مسائل پر سمجھوتہ اور امریکی مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی ایسے عوامل ہیں جنہوں نے موجودہ حکمران طبقہ اور فوجی قیادت کے لئے ایک نیا چیلنج ضرور فراہم کیا لیکن یہ ترقی پسند سوچ رکھنے والوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

مس بے نظیر —— ایک نیا سیاسی عنصر

اپریل ۱۹۸۶ء میں مس بے نظیر کی وطن واپسی اور عوام کا دیوانہ وار اور والہانہ استقبال اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ پی پی کی قیادت اور مرحوم بھٹو کا خاندان اب بھی ایک ایسی قوت ہے جس کو کسی قیمت پر ختم نہیں کیا جا سکتا ملک کے ہر حصے میں مس بے نظیر کی پذیرائی اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ ان کی جماعت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے قومی یکجہتی کو برقرار رکھ کر اسے مضبوط بھی کیا جا سکتا ہے جناب بھٹو کے قتل سے ان کی سیاسی موت واقع نہ ہو سکی اور اب بھی وہ اپنی آخری آرام گاہ سے عوام کے دلوں پر حکمران ہیں۔ امریکی سامراج کے لئے مس بے نظیر کی واپسی ایک خوش آئند نشان بھی ثابت ہوا لاہور میں پہلے استقبال کے موقع پر جب پی پی کے کارکنوں نے امریکی سامراج کے خلاف نعرے بلند کئے اور امریکی پرچم نذر آتش کیا گیا تو مس بے نظیر کا ردعمل اس کے خلاف ہوا انہوں نے اس کی ذمہ داری حکمران طبقات پر ڈالتے ہوئے اس کو اپنی جماعت کے خلاف ایک سازش قرار دیا بعد ازاں ان کے جلسے و جلوسوں میں ہمیشہ کے لئے امریکہ کی جان بخشی نظر آئی نفرتوں اور توجہ کا تمام تر ہدف فوجی حکمران ہی کو بنایا گیا۔ عوام کے امڈتے ہوئے سیلاب پر پوری طرح قدرت رکھنے والی خاتون سیاسی رہنما مس بے نظیر نے آنے

رویے سے یہ ثابت کردیا کہ ان کی لڑائی امریکی سامراج سے نہیں بلکہ مرحوم بھٹو کے قاتلوں سے ہے جنہیں وہ کبھی بھی معاف نہیں کریں گی۔ انہوں نے اپنی اہمیت کو امریکہ پر ثابت کردیا جس سے امریکی سیاسی رہنماؤں اور دانشوروں میں گھوڑے کی تبدیلی کا خیال مزید مستحکم ہونے لگا۔ ریگن انتظامیہ پر بڑھتے ہوئے دباؤ کے پیش نظر یہ امید پیدا ہونے لگی تھی کہ جلد ہی پاکستان میں عام انتخابات کے ذریعے چہروں کی تبدیلی کا عمل بروئے کار لایا جائے گا۔ امریکی صدر اور ان کی انتظامیہ کو مدافعانہ انداز اختیار کرنا پڑا تاکہ فوجی حکمرانوں کا تحفظ ہوسکے۔ امریکی سیاست میں سرگرم رجعت پرست عناصر مس بے نظیر کی تمام تر یقین دہانیوں اور اچھی کارکردگی کے باوجود ان پر بھروسہ کرنے کے لئے تیار نظر نہیں آتا۔ ایسے عناصر کے لئے عوامی سطح سے ابھرنے والا کوئی بھی رہنما قابل بھروسہ نہیں ہوسکتا۔ بین الاقوامی سیاست کے داؤ پیچ میں لپٹی ہوتی امریکی پالیسیاں انہیں مزید محتاط رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں جبکہ مس بے نظیر امریکی سیاسی حلقوں میں اپنی جگہ پیدا کرلینے کے باوجود روس کے دورے پر گئیں۔ ایسا رویہ شکوک و شبہات کو مزید مستحکم کرتا ہے اور قوت فیصلہ کو بھی متاثر کردیتا ہے۔ پاکستان کے حکمران طبقے نے اس الجھاؤ کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ فوجی حکمران نے دائیں بازو کی جماعتوں کی پشت پناہی سے ایک اہم کردار ادا کیا۔ افغان مجاہدین کے نمائندہ رہنماؤں کا ایک وفد امریکی حکومت اور صدر ریگن کی خدمت میں بھیجا گیا۔ عارضی افغان حکومت کا خیالی منصوبہ راتوں رات نہیں بنا تھا بلکہ یہ فوجی حکمرانوں، دائیں بازو کی سیاسی جماعت، اور افغان مجاہدین کے سرکردہ رہنماؤں کا ایک اہم کارنامہ تھا اس منصوبے کی سرپرستی کے لئے اور امریکی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے پاکستانی وزیر خارجہ نے اہم کردار ادا کیا۔ موصوف نے افغان نمائندوں کے نکتہ نظر کو پوری طرح واضح کیا اور اس کی اہمیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ اس طرح ملک میں حکمران فوجی حکومت کی اہمیت مزید بڑھ گئی اور طاقت کا توازن ایک

بار پھر ان کی طرف ہونے لگا۔ فوجی حکمرانوں نے نام نہاد جمہوریت قائم کرکے
جناب جونیجو سے بھی بھرپور کام لیا۔ موصوف نے اپنے امریکی دورہ میں یہ تاثر
دینے کی جدوجہد کی کہ انکی حکومت نہ صرف جمہوری ہے بلکہ عوام کا بھرپور تعاون
بھی انہیں حاصل ہے۔ انکی حکومت کو فی الحال بدلنے کی قطعی ضرورت نہیں تاکہ
وہ اپنی متعینہ مدت میں اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرسکیں ان محرکات کے پس منظر
میں امریکی رجعت پرست رہنماؤں کو بڑی تقویت ملی اور مس بے نظیر کے حق
میں فضا ہموار کرنے والی لابی پس پشت چلی گئی۔ قرائن اس امر کی واضح نشان
دہی بھی کرتے ہیں کہ آئندہ کے لئے حکومت کا سخت و تشدد آمیز رویہ کی ابتدا
جناب وزیر اعظم کے اس کامیاب دورے کے بعد ہوئی۔ امریکی سی۔ آئی۔ اے
پہلے ہی اعلان کرچکی ہے کہ دنیا میں صرف چار ایسے ممالک ہیں جہاں اس
امریکی ادارے کو بڑا بھرپور کنٹرول اور پوری طاقت حاصل ہے۔ پاکستان
ان چار بدقسمت ممالک میں ایک ہے اور امریکی سامراج کبھی بھی ایسا خطرہ
مول نہیں لے گا جو اس ملک پر گرفت کو کمزور کردے آنے والے واقعات نے
حقیقت کو مزید تقویت بخشی۔

مس بے نظیر کچھ عرصہ تک پاکستان کے سیاسی افق پر اس طرح
چھائی رہیں کہ گمان ہونے لگا تھا کہ جلد ہی کوئی نیا انقلاب یا تبدیلی رونما ہونے
والی ہے۔ فوجی حکمرانوں نے جناب غلام مصطفےٰ جتوئی اور جناب غلام مصطفےٰ کھر
کے ذریعے پی پی کے اندرونی حلقوں میں جو کنفیوژن پیدا کرنے کی کوشش
کی اس میں بری طرح ناکامی ہوئی جناب جتوئی کو مس بے نظیر اور پی پی کے
ریڈیکل عناصر کے ہاتھوں بری طرح شکست کھانی پڑی اور انہیں اپنی ایک
الگ جماعت بنانی پڑی ان کی نئی قائم کردہ این پی پی کے متعلق خود ان کی جماعت
کے ایک باغی رکن جناب شوکت علی نے اسے اینگری انکلز (ANGRY
UNCLES) کی جماعت قرار دے اس کی سیاسی اہمیت کو نہ صرف

مجروح کیا بلکہ اس کے مستقبل کو بھی مشکوک بنا کر رکھ دیا۔ جبکہ سندھ میں مس بے نظیر کی قیادت و مقبولیت کو ختم کرنے کے لئے اس نے حربے سے بھی کام لینا مشکل نظر آتا ہے جناب جتوئی اور ان کے ہمراہیوں کو اندرون سندھ شدید مشکلات کا سامنا ہے اور یہاں کے سیاسی حلقے یہ محسوس کرتے ہیں کہ حکومت کا یہ وار بھی خالی چلا گیا۔ اس کے برعکس مس بے نظیر ملک کی سیاسی سرگرمیوں میں سرگرم عمل رہیں۔ جناب ولی خاں سے ملاقات اور ایم آر ڈی کے پروگرام و اجلاسوں میں بھرپور شرکت و تعاون نے جہاں بھرپور شرکت و تعاون نے جہاں ایک طرف ایم آر ڈی کے قد کو مزید اونچا کر دیا تو دوسری طرف حکمرانوں کے لیے نئی مشکلات بھی پیدا کر دیں۔ مس بے نظیر اور ان کی جماعت پی پی کو تمام تر عوامی تعاون کے باوجود ۵ جولائی کے سلسلے میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کے پیش نظر جدوجہد کے آئندہ مرحلوں کے لئے جو منصوبہ بندی کی گئی اس میں شدت پسندی کا عنصر بھی نمایاں رہا۔ ۵ جولائی کے حوالے سے منائے جانے والے یوم آمریت کی ناکامی کو فوجی حکمران نے سامراج کے سامنے ایک اہم جواز بنا کر پیش کیا اور یہ تاثر دینے کی جدوجہد کی کہ مس بے نظیر کی مقبولیت کا سورج غروب ہو چکا ہے اس طرح طاقت آزمائی کا دوسرا مرحلہ ۱۴ اگست یعنی یوم آزادی بن گیا۔ فوجی حکمران اور ان کی جماعتی حکومت ایسا کوئی موقع مزید فراہم کرنے کے حق میں نہ تھی جو پی پی کے سیاسی اہمیت کو پاکستان کے پس منظر میں مزید مستحکم کر دے دوسری طرف حکمران طبقہ اور ارباب اقتدار اس کوشش میں مصروف تھے کہ اپنی عوامی مقبولیت کے بھرم کو مزید فروغ دے کر سامراجی ذہنوں میں پیدا ہونے والے شک و شبہات کو دور کر دیں تاکہ مس بے نظیر امریکی سیاسی حلقوں سے کٹ کر رہ جائیں۔ ان عوامل کے پیش نظر وزیراعظم جناب جونیجو اور حکمران مسلم لیگ نے آزادی کے دن یوم پاکستان منانے کا فیصلہ کیا۔ دوسری طرف ایم۔ آر۔ ڈی میں شامل

پی پی اور دیگر جماعتوں نے بھی لاہور میں یوم آزادی کے سلسلے میں اپنا جلسہ منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ ایم آر ڈی نے اپنا یہ جلسہ مینار پاکستان کے زیر سایہ منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ لیکن حکمران جماعت مسلم لیگ اور وزیر اعظم جناب جونیجو اپنی جماعت کو پاکستان کی تخلیق کا بانی قرار دے کر ایم آر ڈی پر اعتراض اٹھایا کہ یوم آزادی کے موقع پر ہونے والے جلسے کے سلسلے میں مسلم لیگ مینار پاکستان کے زیر سایہ جلسہ کرنے کی زیادہ حقدار ہے۔ حکمران جماعت کے اس اعتراض کے پس منظر میں ایم آر ڈی نے اپنے جلسے کا رخ مشہور زمانہ موچی دروازہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی کراچی میں ہونے والے ایم آر ڈی کے جلسہ کے لئے ککری گراؤنڈ کو منتخب کیا۔ حکمران جماعت مسلم لیگ اور ایم آر ڈی بڑے زور و شور سے اپنے جلسوں کی تیاریوں میں مصروف ہوئیں اس کے باوجود یہ روز روشن کی طرح عیاں تھا کہ مسلم لیگ اور وزیر اعظم جونیجو کا جلسہ نہ صرف بری طرح ناکام ہوگا بلکہ پی پی کی اہمیت قومی اور بین الاقوامی سطح پر مزید نمایاں ہو جائے گی۔ اس طرح ایک غیر پسندیدہ حکومت کے لئے ملک میں جمہوری عمل کو روکنے کے لئے کوئی جواز نہ مل سکے گا۔ فوجی حکمران اور جونیجو حکومت کے لئے ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ جلسہ و جلوس پر پابندی لگا کر تشدد کے ذریعے حزب اختلاف کو روکا جائے فوجی حکمران اس صورت حال سے خود کو بڑی خوبصورتی سے الگ کرنے کی کوشش کی چونکہ جناب جونیجو کان کے درد میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے موصوف بذات خود غیر جانبدار ملکوں کی کانفرنس میں ملک کی نمائندگی کے لئے زمبابوے تشریف لے گئے یہاں جو ڈرامہ کھیلا جانے والا تھا اس کی تمام تر ذمہ داری اب اس حکومت پر آ گئی جسے جمہوریت پسند ہونے کا بڑا دعویٰ تھا۔ فوجی حکمران کی ملک میں عدم موجودگی ان کی معصومیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی سمجھی گئی۔ حکمرانوں نے یوم آزادی کا سورج طلوع ہونے سے قبل ہی ایم آر ڈی

کے رہنماؤں کو پابند سلاسل کر کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ یہ امر کسی
سے پوشیدہ نہیں کہ پی پی کے تیسرے درجے کی قیادت کو بھی گرفتار کیا گیا
تاکہ منعقد ہونے والے جلسے و جلوسوں کو مکمل طور سے ناکام بنایا جا سکے
کارکنوں پر تشدد کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا لاہور میں چند جانوں کے
ضائع ہونے کے بعد ارباب اقتدار نے اپنی حکمت عملی یکسر تبدیل کر دی جلسے
و جلوسوں سے پابندی ختم کر کے مدافعانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ لاہور اور پنجاب
کے دیگر شہروں میں ایم آر ڈی کے جلوس نکلتے رہے حکومت سے مطالبات
ہوتے رہے اور جنونی کیفیت میں آہستہ آہستہ ختم ہوتی رہی اور جذبات
سرد پڑتے رہے۔ حکومت نے پنجاب کے علاقوں میں تشدد کے ذریعے
تحریک کو کچلنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہی وہاں فوج کا بے دریغ استعمال نظر
آیا۔ لیکن سندھ کی صورت حال مختلف تھی۔ حکمرانوں نے یہاں یہ عزم کر رکھا
تھا کہ تحریک کے ابھرنے سے پہلے پوری طاقت سے کچل دیا جائے اس تحریک
کی ابتداء سے کچھ عرصہ قبل ہی سندھ کے کئی اضلاع میں فوج کو متعین
کیا جا چکا تھا۔ ان علاقوں میں ڈاکوؤں کے حوالے سے فوج پہلے ہی سرگرم
عمل ہو چکی تھی اور تحریک کی ابتداء ہوتے ہی حکومتی ادارے پوری طرح
حرکت میں آ گئے۔ ۱۹۸۳ کی طرح اس بار بھی سندھ کی دیہی آبادی اور شہری
آبادی کے درمیان تضاد اور عدم اشتراک نمایاں تھا شہروں پر قابض مہاجر
طبقے کے ایک بار پھر سندھی آبادی کا ساتھ دینے سے انکار کر کے تحریک کو
سبوتاژ کیا۔ مہاجر طبقات اور نئی نسل کے نئے رہنما جناب الطاف حسین
نے تحریک کی ابتداء سے چند یوم قبل ہی اپنے کراچی کے جلسے میں مہاجروں
سے اپیل کی کہ وہ حکومت اور ایم آر ڈی کے سلسلے میں غیر جانبدار رہیں۔ ان
کی اپیل کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا اور کراچی کی تبدیل ہوتی سیاسی فضا ایک
بار پھر سمٹ کر رہ گئی اس سے قبل مس بے نظیر بھٹو کی کراچی میں آمد اور

الن کے استقبال کے سلسلے میں مہاجروں کا رویہ قومی نوعیت کے اخبارات میں موضوع بحث رہ چکا تھا۔ دائیں بازو کی انتہا پسند جماعت اور اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے اکثر اخبارات نے یہ تاثر عام کیا کہ مس بے نیظیر کے استقبال میں مہاجر شامل نہ تھا اور تمام تر جلسہ و جلوس اندرون سندھ سے لائے ہوئے لوگوں پر مشتمل تھا۔ تاہم دوسرے تجزیہ نگاروں نے اس دعوے کو شرپسندی پر محمول کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مس بے نظیر کے استقبال میں کراچی کی مہاجر آبادی نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی اس طرح یہ امید پیدا ہونے لگی تھی کہ باہمی تعاون و اشتراک کی فضا اب ہموار ہو چکی ہے۔
۱۹۸۳ کی طرح ہاریوں، محنت کشوں اور سیاسی کارکنوں پر مشتمل سندھ کی دیہی آبادی کو ظلم و تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جا سکے لیکن جناب الطاف حسین کی بروقت مداخلت نے جوش و جذبے سے آگے بڑھتی ہوئی مہاجر آبادی کے قدم روک لیے ان کا یہ اعلان کہ مہاجر غیر جانبدار رہیں۔ حکمرانوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے مترادف تھا اس طرح سندھ کی شہری آبادی نہ صرف اگست میں اٹھنے والی تحریک سے الگ تھلگ رہی بلکہ جماعتی ذہنیت کے علمبرداروں کا اس تحریک سے متعلق استہزائیہ انداز مزید افسوسناک رہا۔ حکومت پر قابض مفاد پرست عناصر اور ان کے حاشیہ برداروں نے بڑے زور و شور سے تحریک کی ناکامی کے دعوے کیے اور ایسے بیانات و اعلانات کی بھرمار نظر آئی کہ عوام نے جمہوریت کی تحریک کو مسترد کر دیا اس طرح سندھ میں مہاجروں کی بھاری اکثریت اب بھی جمہوریت اور عوامی تحریک کے بڑے دھارے سے کٹی رہ کر اس سراب میں مبتلا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی جنگ جیت لے گی یہ آبادی شعوری یا غیر شعوری طور پر اب بھی حکمران طبقات کی آلہ کار ہے اور ان کے ذہن اب بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جمہوریت کی جنگ جیتے بغیر حقوق کا تصور محض ایک فریب ہے

اگست میں چلائی جانیوالی جمہوری تحریک کو جس تشدد آمیز رویہ کا سامنا کرنا پڑا اس سے جمہوریت کی جنگ پر ایک کاری ضرب لگی۔ دوسری طرف پی پی اور اس کی رہنما مس بے نظیر کو شدید سیاسی دھچکا بھی لگا۔ حکومت نے انہیں لانڈھی جیل میں رکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جیسے وہ "نافرمان بچی" ہوں اور اس طرح ان کے مخالفین بھی ان کی سیاسی اہلیت واہمیت کا مذاق بنانے لگے۔ اب پی پی بمع ایم آر ڈی اس پوزیشن میں نظر نہیں آتی کہ حکومت وقت کے لئے کوئی چیلنج یا خطرہ پیدا کر سکے۔ اپریل سے لیکر اگست تک کے واقعات کا بغور مطالعہ اس امر کی نشاندھی کرتا ہے۔ کہ امریکی سامراج اور حکمران طبقات ایک خوبصورت سیاسی کھیل کھیل رہے تھے۔ مس بے نظیر کی پاکستان میں آمد کے وقت لاہور کی انتظامیہ کا پی پی کے رہنماؤں سے فراخدلی تعاون حکمران طبقات کی فراخدلی وجمہوریت پسندی پر معمول نہیں کیا جاسکتا اس کے واضح اشارے سامراج کی ہدایات میں ملتے ہیں۔ چند ماہ کی بھاگ دوڑ، جلسے جلوس، بیانات وسیاسی کارکردگی نے پی پی کے رہنماؤں اور مس بے نظیر کی سیاسی حیثیت کو پوری طرح واضح کردیا تاہم اپنی تمامتر سیاسی جدوجہد میں مس بے نظیر نے اپنے سیاسی ہدف کو صرف فوجی حکمران تک محدود رکھا اس سے الگ، ان کے پاس کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

کسی بھی تحریک کے فروغ وترقی میں دانشور طبقہ بڑا اہم ونمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ جواہر لال نہرو ہندوستانی دانشوروں اور باشعور طبقے کے ہیرو رہے اور اپنی حیات تک کبھی بھی شکست نہیں کھائی جناب بھٹو بھی (MYTH OF INDEPENDENCE) کے حوالے سے دانشوروں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے تھے اور دانشوروں وفکری اساس رکھنے والے لوگوں کا ایک بڑا طبقہ مرحوم کے شانہ بشانہ چلتا رہا موجودہ صورت حال میں مس بے نظیر اپنی کارکردگی کے حوالے سے اس طبقہ کو کسی طرح بھی متاثر نہیں کر سکی ہیں۔ انہوں نے امریکہ سے سودے بازی کرکے ذہن ودانش

کے دروازے بند کر دیئے پاکستان کے موجودہ سیاسی و سماجی پس منظر میں
امریکہ وہ بدقسمت ملک ہے جو اپنی ۴۵ سالہ کارکردگی کے باوجود اس
ملک میں سب سے زیادہ بدنام اور قابل نفرت ہے۔ علاوہ مفاد پرست ٹولے
اور سامراجی گماشتوں کے علاوہ یہاں اس کی کوئی ساکھ نہیں اور اب پاکستان کے
عوام کے دلوں میں اس کے لئے شدید نفرت پائی جاتی ہے۔ اس نمایاں کیفیت
کے باوجود مس بے نظیر کا امریکہ پسند رویہ نوجوان نسل اور عوامی مزاج کو ناامید
کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس حوالے سے جب افغانستان کی صورت حال پر پی پی
اور اس کے رہنماؤں نے اپنا سابقہ موقف تبدیل کیا تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی
کہ مس بے نظیر کے اندازِ فکر اور فوجی حکمران کی افغان پالیسی میں اب کوئی فرق
باقی نہیں رہ گیا ہے۔ انہوں نے بھٹو ازم کا نعرہ ضرور دیا مگر اس کی واضح تشریح
نہ ہو سکی۔ سابقہ دور میں ہونیوالی ناانصافیوں اور بے رحمیوں کو بھی مقدس
بنا دیا گیا جو فکری اور سیاسی اعتبار سے کبھی قابلِ قبول نہ ہونگے مس بے نظیر اور
ان کی سیاسی جماعت نے کبھی بھی فوجی اداروں پر انگلی نہ اٹھائی جبکہ عوام کا براہ
راست تصادم اب فوج اور اس کے جرنلوں سے ہے۔ عوام کو ابھار کر حکمرانوں
کے خلاف کھڑا کر کے پی پی نے فوج اور اس کے سربراہ کو یہ موقع فراہم کر دیا
کہ وہ اپنی طاقت و تشدد کے ذریعے عوامی ابھار کو کچل کر رکھ دیں لیکن مس بے
نظیر عوام کو فکری اور عملی طور پر متحرک کر کے بامقصد جدوجہد کی جانب راغب
کرنے میں ناکام رہیں۔ نعرہ بازی کی سیاست سے کب تک کام لیا جائے گا
یہ سوچنے کی ضرورت پی پی کے رہنماؤں کو بھی نہیں عوام کے حقوق و مفادات
کے تحفظ سے زیادہ اقتدار کا حصول اور پچھلا حساب چکانے کی جستجو ایک ایسا
اندازِ فکر ہے جو مس بے نظیر کو دیوار سے آگے دیکھنے میں حائل ہو رہا ہے
عوام کس طرح تمام تر محبتوں اور خلوص کے باوجود انہوں نے خود کو ایک دائرہ
میں محدود کر لیا ہے جذباتیت اور ناپختگی کے فقدان نے ان کی مدبرانہ صلاحیتوں

کو مشکوک بنا دیا۔ حالیہ ناکامی سے بیزاری و یاسیت کا ایک نیا دور شروع ہوا جس نے تیزی سے سندھ کے عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

حالیہ تحریک کے دوران ہنگامہ آرائی کی فضا سندھ کی صورت حال کو مزید تشویشناک بنا چکی ہے ایک موہوم سی امید کہ مس بے نظیر ایک متحدہ وفاق کی ضمانت کی حیثیت سے صورت حال پر قابو پاکر سندھ کے لوگوں میں پھیلی ہوئی بے چینی و اضطراب کو ختم کر دیں گی اب ٹوٹتی نظر آتی ہے مس بے نظیر اور پی پی پی کی شکست نے حکمران طبقہ کامرانی کے زعم میں مبتلا نظر آتا ہے۔ لیکن اصل جیت سندھ کے انتہاپسند عناصر کی ہوئی جو دبے دبے الفاظ و اشاروں سے پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ اقتدار عوامی نمائندوں کو اب کبھی بھی منتقل نہ ہوگا اور پنجاب کا بورژوا طبقہ ملکی سالمیت کے لئے اپنے مفادات کو قربان کرنے کے لئے کبھی بھی راضی نہ ہوگا۔ سندھ کے عوام میں اب یہ سوچ مزید پختہ ہوگئی کہ متحدہ پاکستان ان کے مفادات اور مستقبل کی ضمانت نہیں۔ نوجوان نسل پہلے ہی حالات سے دل برداشتہ اور ناامید تھی ان کی سوچ کا بنیادی محور سندھو دیش پہلے ہی بنتا جا رہا تھا۔ لیکن مس بے نظیر کی قیادت نے اس طبقہ کی فکر کو پاکستان کی جانب موڑنا شروع کر دیا۔ وہ ابھی اسی کشمکش میں تھے کہ فوجی کارروائیوں نے انہیں پوری طرح انتہاپسندی کی طرف پناہ لینے میں کر دیا اس صورت حال میں ملک کا مستقبل کیا ہوگا اب سندھ کے لوگوں کا مسئلہ یہ نہیں رہ گیا ہے۔ سندھ کی آبادی میں گہرے تضادات کے پیش نظر نوجوان نسل اب دوسرے ملکوں کی جانب دیکھ رہی ہے اس طرح تاریخ ایک بار پھر خود کو دھرا رہی ہے بنگال میں اٹھنے والی قوم پرست تحریک پر توجہ دے کر ان کے حقیقی مسائل کا حل تلاش کرنے کے بجائے حکمران طبقات نے انہیں کلکتہ کے ایجنٹ کے نام سے موسوم کیا۔ ایک عرصہ تک حکمران طبقات اور ان کے حاشیہ برداروں

سے بنگال میں اٹھنے والی قومی تحریکوں کو کمیونسٹوں اور ہندوؤں کی سازش قرار دیا اور قومی پریس نے دل کھول کر حکومت کی پالیسیوں کی مدح سرائی کی۔ یہی کچھ اب سندھ کے لئے بھی کہا جا رہا ہے۔ یہاں بھی کمیونسٹ اور ہندو سرگرم عمل نظر آ رہے ہیں۔ یہاں بھی فوجی کارروائیوں کا دائرہ کار وسیع ہوتا جا رہا ہے اور آگے وقت ہی بتا سکے گا کہ اس سازش کی پشت پر کن عناصر کا ہاتھ ہے۔ حکمران طبقات سندھ کو بھی داؤ پر لگا دیں گے یا اپنی تشدد آمیز کارروائیوں کے ذریعے سندھ کے لوگوں کو مفلوج کر کے ان کے حوصلے پست کر دیں گے۔ شاید ایسا ممکن بھی ہو۔ لیکن موجودہ صورت حال میں یہ پوری طرح واضح ہو چکا ہے کہ سندھ کے لوگوں میں بھی سر اٹھانے کی ہمت پیدا ہو چکی ہے۔ پرتشدد کارروائیوں کے باوجود سندھیوں کے سر فخر سے اونچے ہیں۔ اب ان میں لڑنے کا جذبہ بہت بڑھ چکا ہے اور لڑنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ ۱۹۸۳ کے مقابلے میں حالیہ دور کے واقعات اور جدید ہتھیاروں کے استعمال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سندھ کی نوجوان نسل نے خود کے لئے آخری راستہ منتخب کر لیا ہے جب کہ حکمران طبقہ طاقت کے نشے میں مست ہے اور امریکی سامراج کے سایہ میں خود کو محفوظ اور مستحکم خیال کرتا ہے وہ اس نکتے کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ شہری آبادی میں پھلنے پھولنے والی تحریکوں کا ہدف ہمیشہ حکومت رہتی ہے اور اس کی تبدیلی کے بعد لوگوں کو سکون آ جاتا ہے۔ جبکہ سیاسی تحریک کا گاؤں گوٹھوں میں پھیل جانا حکومت وقت کے ساتھ ساتھ ملک کی سالمیت و اتحاد کو بھی پارہ پارہ کر دیتا ہے اس پس منظر میں سندھ کی سیاسی صورت حال نہ صرف تشویشناک ہوتی جا رہی ہے بلکہ کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

حالیہ تحریک کے پس منظر میں اگر سندھ کے حالات و سیاسی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو کئی دوسرے اہم پہلو بھی سامنے آتے ہیں بلاشبہ

سندھ میں پی پی کی قیادت کو اب تک اولیت حاصل رہی اور ۱۹۸۳ء میں جناب جتوئی پی پی کے رہنما کی حیثیت سے تحریک پر چھائے رہے موجودہ صورت حال میں پی پی کی قیادت کو پہلے ہی پابند سلاسل کر دیا گیا۔ گاؤں، گوٹھوں سے اٹھنے والی یہ تحریک کسی اہم رہنما کے بغیر آگے بڑھی اور حکومت سے ٹکر لیتی رہی تشدد کا نشانہ بنائے جانے کے باوجود اس کی جنونی کیفیت میں کمی نہ آسکی موجودہ صورت حال میں ان کی مستقل مزاجی کسی بھی موقع پر ان کی شکست کو فتح میں تبدیل کر سکتی ہے سندھ میں چلنے والی تحریکوں کا ایک اہم اور روشن پہلو بھی ہے سندھ کے مفلوک الحال اور غریب ہاری صدیوں کے جبر و تشدد کے پیش نظر پست ہمت ہو چکے تھے اور ان میں اب اتنی تاب بھی نہ تھی کہ سندھ کی وڈیرہ شاہی، پیری مریدی اور کمورا شاہی کا مقابلہ کر سکیں انہیں اپنی نجات کا راستہ صرف وڈیرے کے احکام کی تعمیل میں ہی نظر آتا تھا۔ سندھ میں پی پی نے جناب بھٹو کی قیادت میں اس کچلی ہوئی آبادی کو ایک نیا ولولہ دیا اور یہی سبب ہے کہ وڈیرہ شاہی کا حکمرانوں کے ساتھ ساز باز واشتراک کے باوجود دیہی آبادی ابتک پورے خلوص کے ساتھ مرحوم بھٹو کے خاندان اور ان کی جماعت پی پی کے ساتھ منسلک ہے اب سندھ کے بھوکے ننگے لوگ مقصد کے حصول کے لئے کسی بھی قربانی کے ذریعے نہیں کر رہے ہیں دور دراز تک پھیلی ہوئی یہ آبادی تمام تر محرومیوں اور وسائل کی کمی کے باوجود ایک نیا شعور حاصل کر رہی ہے۔ بی بی سی، وائس آف امریکہ، ریڈیو ماسکو اور آل انڈیا ریڈیو وہ ذرائع ابلاغ ہیں جنکی خبریں اور تبصرے اکثر و بیشتر گاؤں گوٹھوں میں موضوع بحث بنے رہتے ہیں۔ ابلاغ کے یہ ذرائع انہیں جو درس دے رہے ہیں وہ ان کی سوچ و فکر کو متحرک کرنے میں معاون ہوتی جا رہی ہے۔ دیہی آبادی کا اس جوش و خروش سے حالیہ تحریکوں میں حصہ لینا اب ایک نئے دور کی نشاندہی کرتا ہے ممکن ہے بہت جلد وہ دن بھی آ جائے کہ سندھ کی سماجی

سیاسی اور معاشی زندگی میں وڈیرہ شاہی کی چھاپ کو چیلنج کردیا جائے سندھ کی دیہی آبادی میں پھیلی ہوئی بے روزگاری کے ساتھ ساتھ نیا ابھرتا ہوا شعور اس امر کی نشاندہی کرتا ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سندھ کے ہاریوں کی زندگی، وڈیروں پیروں اور میروں کے مرہون منت تھی تاہم قدیم زرعی نظام اور آلات پیداوار کے پس منظر میں ہاریوں کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی تھی اور ہاری پیداواری عمل کا ہمیشہ ایک اہم حصہ رہے ہیں۔ اس طرح ان کی اپنی ایک اہمیت بھی تھی موجودہ دور کے مشینی نظام نے ایک اور شدید نوعیت کا مسئلہ پیدا کردیا ہے۔ زرعی اصلاحات کی ناکامی کے بعد مشینی ذرائع پیداوار کے سبب ہاریوں اور کسانوں میں زبردست بے روزگاری پیدا کررہی ہے اور بے روزگار دیہی آبادی کے تناسب میں زبردست تبدیلی پیدا ہوتی جارہی ہے اس طرح اب تک جاگیردارانہ نظام کے خلاف اور زرعی اصلاحات کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے لئے اب ایک اور بھی نیا مسئلہ اور نیا چیلنج سامنے ہے تیزی سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور بے دخلی کے سلسلے اور حکمران طبقہ کی بھرپور اعانت سندھ کی دیہی آبادی کو ایک ایسے موڑ پر لے آئی ہے جہاں وہ حکمران طبقات سے ٹکر لینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتے اس ضمن میں پی پی کی قیادت انہیں وہ ذریعہ فراہم کررہی ہے وڈیرہ شاہی کی ساکھ ایک بار ٹوٹنے کے بعد اس کے لئے اپنا پرانا بھرم اور تقدس برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اب اس امر کی نشاندہی بھی ہونے لگی ہے کہ پی پی کی قیادت اگر ان کے توقعات پر پوری نہ اتری اور روایتی انداز حکمرانی کو ہی اپنا ماحصل قرار دیا تو دیہی آبادی آگے چل کر اس کے لئے بھی اہم مشکلات پیدا کریگی۔ دیہی آبادی کو سیاسی تحریکوں میں لانے اور آگے بڑھانے والوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک اہم خدمت انجام دی۔

قوم پرست اور موجودہ صورت حال

سندھ اب ایک ایسے موڑ پر پہنچ گیا ہے جو ہماری
تاریخ کے المناک باب میں مزید اضافہ کر سکتا ہے سندھ کی بھاری اکثریت اب
اس فکر سے منسلک نظر آتی ہے کہ صرف سندھو دیش ہی یہاں کا مقدر ہے خال
خال ایسے افراد بھی نظر آتے ہیں جو تمام تر محرومیوں کے باوجود پاکستان سے علیحدگی
کو عوام کے مفادات کے خلاف سمجھتے ہیں۔ سندھ کی سیاست پر چھائی ہوئی وڈیرہ
شاہی اپنے قدم دونوں اطراف جمائے ہوئے ہے۔ ان کے ذاتی مفادات و
مراعات اس امر کے متقاضی ہیں کہ وہ حکمران طبقے کے شریک کار رہیں جبکہ
سندھ میں پیدا ہونے والی سیاسی تبدیلیوں سے بھی وہ بھرپور اپنا مقصد
نکالنا چاہتے ہیں تاکہ علیحدگی کی صورت میں ان کے مفادات اور ان کی برسوں
کی قائم شدہ اجارہ داری وساکھ کو نقصان نہ پہنچے۔ ایسی تحریک کو ہوا دیکر وہ
ایسی فضا قائم رکھنا چاہتے ہیں جہاں ان کی قدروقیمت اور ان کی اہمیت حکمران
طبقات میں مزید مستحکم ہو سکے۔ تاہم علیحدگی کے تمام تر رجحانات اور سندھ میں
جنگجویانہ کیفیت کی پشت پر پنجاب سے نفرت بنیادی عنصر ہے اور پنجابیوں سے
پیچھا چھڑانے کا عزم ہی اس فکر کو ابتدا سے تقویت بخشتا رہا۔ لیکن نفرتوں
پر قائم ہونے والی فکر و ذہن پر داخلیت کا پہلو زیادہ نمایاں رہتا ہے۔ یہی صورت
حال سندھ میں بھی پائی جاتی ہے یہاں کا ذہن پوری ایمانداری اور حقیقت پسندی
سے اپنا کردار ادا نہیں کر رہا ہے۔ یہاں بڑے جوش و خروش سے سندھو دیش
کے قیام کے لئے دلائل پیش کئے جاتے ہیں اور اس دلیل کو زیادہ ہی نمایاں جگہ
ملتا ہے کہ پنجاب ہر طرف سے گھرا ہوا ہے اس کا تعلق سمندر سے کاٹ کر پنجاب
کو نہ صرف شکست دی جا سکتی ہے بلکہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اس
طرح کی دلیلوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ یہاں کی نوجوان نسل اگر

بنیاد پر محنت کشوں نے لڑی ۔انہیں یہ باور کرایا گیا تھا کہ بنگال کے سارے وسائل دوسرے سمیٹ کرے جاتے ہیں اور اس لئے غربت و افلاس محنت کشوں کا مقدر بنا ہوا ہے ۔ لیکن آزادی کے حصول کے بعد بنگلہ بورژوا طبقے نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ اس کا اثر اب اور بڑھ گیا اور سامراج سے اب براہِ راست رابطے کے حوالے سے محنت کش طبقات کو انکی حیثیت کا احساس دلایا گیا کہ آقا بدل گئے ہیں نظام نہیں بدلا گیا ہے بنگلہ دیش کے قیام سے بورژوا طبقہ یقینی طور پر ایک نئی زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اس کے ہاتھوں بلا شرکت غیرے ایک معاشی میدان آیا ۔ لیکن مفلوک الحال عوام کے ہاتھوں کیا کچھ لگا سوچ کر دکھ ہوتا ہے ان کے لئے اپنے جسم و جان کے رشتے کو قائم رکھنے میں مزید مشکلات پیدا ہو گئیں اور ان کی بھوک میں مزید اضافہ ہوا۔ بنگلہ دیش کی تحریک سے یہ امر بھی ابھر کر سامنے آیا کہ قوم پرستانہ ذہنیت ترقی پسند قوتوں اور سوچ کو پیچھے دھکیل دیتی ہے اور اس کا کردار محدود ہو جاتا ہے ایک طویل مدت تک مغربی پاکستان حکمرانوں سے جمہوریت کی جنگ لڑنے والی قوتوں سے یہ توقع تھی کہ وہ اپنے نئے ملک میں جمہوری اقدار کے فروغ کی جدوجہد کریں گے ۔ابتدا میں اس نہج پر کام بھی ہوا لیکن بعد ازاں قتل ، غارتگری ، فوجی مداخلت اور مارشل لا ہی ان کا نصیب بن گیا یہ تاریخی حقیقت ہم سب کے لئے سبق آموز بھی ہے اور افسوسناک بھی جبکہ سندھ کی سیاسی صورت حال اس سے بھی زیادہ الجھی ہوئی ہے ۔ یہاں پر نہ تو محنت کش طبقوں پر کبھی اعتماد کیا گیا اور نہ ہی انہیں متحرک کر کے سیاست کے مرکزی دھارے سے منسلک کرنے کی کوشش کی گئی اس طرح سندھو دیش کی تحریک سندھی بورژوا اور متوسط طبقے کی نمائندہ تحریک ہے ۔ گو کہ اس کے دائرہ کار میں اب تیزی سے وسعت پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے ۔ لیکن اس تحریک کا اختتام بنگلہ دیش سے مختلف نظر نہیں آتا۔ سندھی بورژوا خاص طور سے وڈیرہ شاہی یہاں مکمل طور پر اپنی اجارہ داری قائم

بے وقوف نہیں تو معصوم ضرور ہے۔ اسے نہ تو جغرافیائی حقیقتوں کا صحیح اندازہ ہے۔ اور نہ ہی وہ تاریخ سے کوئی صحیح نتیجہ اخذ کر سکی ہے۔ وہ اس امر کو فراموش کر دیتے ہیں کہ پانی کے تمام تر ذخائر اور وسائل پنجاب کے پاس ہیں اور اس پر پنجاب کا مکمل کنٹرول ہے۔ جناب بھٹو کے دور حکومت میں جب لسانی فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تھی تو پنجاب میں یہ مطالبہ بھی زور پکڑ رہا تھا کہ سندھ کا پانی بند کر دیا جائے۔ پانی کی صورت حال دن بدن ویسے بھی تشویشناک ہوتی جارہی ہے۔ ایوب خاں کے دور حکومت میں ہندوستان کے ہاتھوں تین دریاؤں کا سودا پہلے ہی ملک کے آبی وسائل کو محدود کر چکا ہے بعد ازاں جو بھی متبادل انتظامات عمل میں لائے گئے ان کا محور پنجاب اور صرف پنجاب رہا عام حالات میں پانی کی کمی پہلے ہی سندھ کا مقدر بنی ہوئی ہے حال ہی میں سندھ میں خاک اڑنے لگی تھی جبکہ چشمہ لنک کینال کے دہانے ابلتے رہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسکو سمجھے بغیر قدم اٹھانا شکست و خودکشی کے مترادف ہوگا۔ سندھ کی معیشت اس قسم کی مہم جوئی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

پاکستان میں علیحدگی پسند قوتیں بنگلہ دیش کو مشعل راہ سمجھتی ہیں لیکن اس کی پشت پر پائی جانے والی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اپنی آزادی کے بعد بنگلہ دیش کا تجزیاتی مطالعہ کسی بھی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے سود مند ضرور ثابت ہو سکتا ہے۔ بنگلہ دیش کے قیام سے پہلے ملک کی جمہوری تحریکوں میں پیش پیش بنگالی ترقی پسند اور جمہوریت پسند قوتوں کے سبب یہ امید کی جاتی تھی کہ پاکستان کے سیاسی پس منظر کو کبھی نہ کبھی ضرور بدلا جا سکے گا اور جمہوری قوتوں کو کامیابی ضرور حاصل ہوگی۔ بنگال کے کٹ جانے کے بعد یہ امیدیں ختم ہو کر رہ گئیں اور اب آمریت ہی اس ملک کا نصیب بن چکا ہے۔ لیکن اپنی آزادی کے بعد بنگلہ بورژوا نے حالات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے خود کو مزید مستحکم کیا۔ بنگلہ دیش کے رہنماؤں نے بنگلہ قومیت کی

کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مظلوم ہاریوں کے شب و روز میں تبدیلی کا تصور بھی ممکن نہ رہے گا۔ جیئے سندھ کی قائم کردہ غنڈہ گردی نے تعلیمی اداروں میں تعلیم و تدریس کے عمل کو ختم کرکے رکھ دیا اور ایک مدت سے تعلیم کا تصور ایک سراب بن گیا ہے۔ ایسی صورت حال میں جو افرادی قوت درکار ہوگی اب وہ ناپید ہو چکی ہے اور سندھو دیش کا تجربہ کسی پسماندہ افریقی ملک سے بھی زیادہ مہنگا ثابت ہو سکتا ہے۔

پاکستان تیسری دنیا کا ایک اہم رکن ہے اور سندھ اس ملک کا ایک حصہ ہے پاکستان کی سیاست و سماجی حالات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے تیسری دنیا ہی کے حوالے سے بین الاقوامی سیاست پر بھی نظر رکھنی پڑے گی۔ تیسری دنیا میں اٹھنے والی تحریکوں کو بین الاقوامی سیاست سے الگ کرکے صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ پاکستانی صورت حال میں سپر طاقتوں کی ریشہ دوانیاں ملک کے اندرونی حالات پر پوری طرح اثرانداز ہوتی ہیں اور سندھ کی سیاست و سماجی صورت حال کو بھی اس سے جدا کرکے نہیں سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ پاکستان اپنے قیام ہی مغرب نواز سیاست پر عمل پیرا رہا اور اپنے تعلقات کو سامراجی ملکوں کے ساتھ استوار کرکے بین الاقوامی سیاست میں مسلم دنیا کے رہنما کی حیثیت حاصل کرنیکی جدوجہد میں مصروف رہا۔ تاہم پاکستانی رہنماؤں کو عالمی سیاست کا کوئی تجربہ نہ تھا اور مسلم لیگ میں ایسی کوئی شخصیت نہیں ملتی جو متحدہ ہندوستان کے حوالے سے بین الاقوامی امور میں پنڈت جواہر لال نہرو کی ہمسری کر سکے پاکستان کا دفتر خارجہ ابتداء میں اپنے آقا برطانیہ کے تابع رہا بعد ازاں امریکی سامراج کے تسلط سے پاکستان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا امریکی امداد کے صدقے اب ہماری معیشت ایک ایسے دور میں داخل ہو چکی ہے کہ ہم اپنے سالانہ بجٹ کے تخمینوں کے لئے بھی اس کے محتاج ہیں۔ پاکستان اور امریکی تعلقات میں

کبھی گرمی رہی اور کبھی سردی لیکن یہ کبھی بھی ممکن نہ ہوا کہ پاکستان کے حکمران اپنی اندرونی پالیسیوں ہی پر مکمل اختیار رکھتے ہوں عام طور سے اس ملک پر حکمرانی کے لئے ایسے افراد کو منتخب کیا گیا جو سامراج کے فرمانبردار اور حاشیہ بردار ہوں اور امریکی مفادات کے تحفظ کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں اور اسی بنیاد پر ہی ان کو آگے لایا جاتا تھا۔ امریکی سی۔آئی۔اے کی کارکردگی کے صدقے ملک کی صورت حال اسطرح قابو میں لے لیا گیا کہ اہم ضلعی انتظامیہ کے ارکان بھی اسی کے اشاروں پر نامزد ہوتے ہیں۔ امریکہ اس طویل عرصہ میں پاکستان کے ہر شعبہ ہائے زندگی کو پوری طرح اپنے تسلط میں لے چکا ہے اور اگر کسی نے آنکھ دکھانے یا سر اٹھانے کی کوشش کی تو اس کا حشر وہ کر دیا گیا جو تیسری دنیا کے لئے بھی سبق آموز ہو۔ موجودہ صورت حال میں سی۔آئی۔اے کی انتہائی مضبوط گرفت کے پس منظر میں سندھ کی علیحدگی کی تحریک کا بھی از سر نو جائزہ لینا چاہیئے۔

امریکی سامراج کی پالیسیوں کا ایک اہم اصول یہ رہا ہے کہ پاکستان میں طاقت کے توازن کو مستقل اپنے حق میں رکھنے کے لئے حکومت اور حزب اختلاف کو پوری طرح قابو میں رکھا جائے پاکستان کی سیاست کو اسی پس منظر میں دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے حکمران طبقے کو اپنے رحم وکرم پر رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کی حیثیت، مزاج اور شخصیت عوامی نہ ہو اور ان کی جڑیں کبھی بھی عوام میں قائم نہ ہو سکیں ان محرکات کی روشنی میں ارباب اقتدار پر ایک مستقل دباؤ قائم رکھنے کے لئے ایسی تحریکیں جنم لیتی اور پروان چڑھتی ہیں۔ اکثر اوقات ایسی تحریکوں کا تعلق نہ تو عوامی مفادات سے ہوتا ہے اور نہ ہی قومی تقاضوں پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ہماری تاریخ میں بنگلہ دیش کا قیام ہے۔ امریکی سامراج کے مفادات کے تحفظ کے لئے اور سیاسی تقاضوں کے پیش نظر اس تحریک کو ہوا دی جاتی رہی

اور بعدازاں بین الاقوامی صورت میں بدلتی ہوئی کیفیات نے اسے حقیقت کا روپ دھارنے میں مدد دی۔ لیکن پاکستان کے موجودہ حالات امریکی سامراج کے لیئے اس امر کے متقاضی نہیں کہ اس ملک کے مزید ٹکڑے کئے جائیں۔ افغان انقلاب نے جنوبی ایشیا کی سیاسی صورت حال پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ دوسری طرف ایران میں ہونیوالی تبدیلیوں نے امریکی مفادات کیلئے خطرہ پیدا کر رکھا ہے ایک طرف افغان انقلاب کو تمام کوششوں کے باوجود استحکام حاصل ہوتا جا رہا ہے تو دوسری طرف ایرانی عوام، امریکی مفادات کی نفی کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف ہیں اس خطے میں امریکہ کی ختم ہوئی ساکھ کے نتیجے میں مشرق وسطی میں امریکی مفادات کے لیئے خطرہ بڑھتا جا رہا ہے اور امریکی حکمت عملی کے لیئے بڑھتے ہوئے خطرات ریگن انتظامیہ کے لیئے ایک چیلنج بنتے جا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں پاکستان امریکی مفادات کے لیئے ایک جنت نظیر خطہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور پاکستان کی اہمیت نہ صرف بڑھ جاتی ہے بلکہ حکمران طبقے کی تبدیلی کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔ پاکستان میں امریکی سامراج کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت امریکہ کو کسی جمہوری تجربے کی طرف لے جانے میں بڑی رکاوٹ ہے اور موجودہ حالات میں صرف فوجی حکمران ہی سامراجی مفادات کی بہتر طور پر نگہداشت کر سکتا ہے۔

ان حالات میں علیحدگی کی تحریکیں امریکی مفادات کے خلاف جاتی ہیں جہاں تک سرحد و بلوچستان کا تعلق ہے ان میں روس کی دلچسپیاں بھی شامل ہیں یا ہو سکتی ہیں اور افغانستان سے ان علاقوں کا براہ راست تعلق بننے اس کی جغرافیائی حیثیت کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن سندھ کی علیحدگی کی تحریک اور سندھو دیش کا نعرہ بھی امریکی مفادات کو ہی پیش نظر رکھتا ہے۔ حکمران طبقات پر دباؤ ڈالنے کے لیئے کبھی اس میں شدت پیدا کر دی جاتی ہے اور کبھی اسے پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کا اہم ثبوت

سندھ کے انتہاپسندوں کے رویے سے بھی ملتا ہے کہ وہ امریکی لابی ہی کے رکن ہیں اور اسی کے مفادات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ وہ امریکہ کے خلاف ہونے والے مظاہروں سے خود کو نہ صرف الگ رکھتے ہیں بلکہ اکثر اوقات ایسے مظاہروں کو اپنی طاقت کے ذریعے کچلنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ جناب بھٹو کے دار و رسن کے مرحلے کے بعد سندھ یونیورسٹی میں ہونے والے مظاہرے میں جب امریکی پرچم اور صدر کارٹر کا پتلا نذر آتش کرنے کے لئے طلباء آگے بڑھے تو جئے سندھ کے رہنما پستول لے کر آگئے کہ کارٹر کا پتلا نہیں جلایا جاسکتا اور جماعت کی ذیلی تنظیم اسلامی جمعیت طلبا کے نقش قدم پر چل کر طلباء کے اس مظاہرے کو تشدد کے ذریعے منتشر کردیا ایسے ہی بیشتر سیاسی واقعات ہمیں ملتے ہیں جو اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ سندھودیش کی تحریک جس پر انتہاپسندوں کا پورا قبضہ ہے امریکی اشاروں پر ہی چلائی جاتی رہی ہے۔ اس طرح جب تک یہ تحریک سامراجی اشاروں پر چلتی رہی اس سے کوئی خطرہ نہ تھا بلکہ امریکی مفادات کے لئے اس کے اثرات مثبت تھے لیکن پاکستان کے سیاسی و معاشی حالات کے پس منظر میں سندھ کے ساتھ زیادتیوں اور بے رحمانہ سلوک نے اس تحریک کے دائرہ کار کو وسیع تر کرکے رکھ دیا اور اب اس کی ہیئت بدلتی جارہی ہے آگے چل کر امریکی مفادات کے لئے یہ ایک خطرناک رخ بھی اختیار کرسکتی ہے۔ تاہم اگر امریکی مفادات کو داؤ پر لگا کر اس تحریک کے لئے کام کیا گیا تو حکمران طبقہ سامراجی طاقت کے معاونت سے اس تحریک کو شدت سے کچل دیگا۔ حکمران طبقے کو اس وقت تک امریکی معاونت یقینی طور پر حاصل رہے گی اور اس کے پیش نظر قوم پرستوں کو بھاری قربانی دینی پڑے گی۔ اس کے باوجود کامیابی کی ضمانت نہیں تاہم سندھ میں پھیلی ہوئی یاسیت، ناامیدی اور محرومی کے پس منظر میں اس تحریک کا مزاج بدلتا جارہا ہے۔ عوام میں بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر سامراج بھی اپنی حکمت عملی کو بدلنے کے لئے مجبور ہو سکتا ہے۔

تاکہ مستقبل کے سندھودیش کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے سکے۔ بدلتے ہوئے حالات میں پاکستان کے حکمران طبقات کو ایک بار پھر شکست بھی ہو سکتی ہے۔

موجودہ انتشار و بے چینی ـــــ ایک حل

پاکستان میں اسلام اور نظریہ پاکستان کے سائے میں جو سلوک عوام سے روا رکھا گیا اس نے نہ صرف منفی سوچ کو آگے بڑھایا بلکہ رجعت پرستانہ ذہنیت کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ سندھ کی موجودہ صورت حال میں علیحدگی کے تمام تر رجحانات کے علاوہ بھی دوسرے تضادات کو اس قدر ابھارا گیا کہ اب کسی بھی مقصد کے لئے جدوجہد بے معنی و مہمل ہوتی جارہی ہے۔ اسلام کے حوالے سے سماج کو قدامت پرستی کی جس فضا میں دھکیل دیا گیا ہے اس میں مثبت سوچ اور ترقی پسندانہ جدوجہد کے راستے روک دیئے گئے ہیں۔ جبر و تشدد، سیاسی فضا میں گھٹن، یاس، ناامید اور بڑھتے ہوئے خوف سے بہتر صورت حال کو جنم نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اس صورت حال کو بدلنے کے بعد ہی ہم بہتر طور پر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اپنے مستقبل کی راہیں ہم کس طرح متعین کریں۔ موجودہ حالات میں سندھودیش کی تحریک کو سندھ کے مسئلے کا آخری اور حتمی حل کی شکل میں پیش کرنا حقیقت پسندی سے گریز ہوگا۔ سندھ کے ساتھ ساتھ پاکستان کی دوسری قومیتوں کے مسائل کو سمجھنا ضروری ہے اگر ہم طبقاتی بنیادوں پر پاکستان کے سماجی، سیاسی اور معاشی پس منظر کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو سندھ کی صورت حال بھی واضح طور پر ہمارے سامنے ہوگی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ملک میں طبقاتی کشمکش میں گہرائی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ طبقاتی کشمکش کے دھارے اس ملک کے عوام کو ایک نئے دور کی طرف لے جارہے تھے کہ مارشل لا حکمرانوں کی آمد اور اسلام کے دلفریب نعروں کے ذریعے اسے پس پشت ڈال دیا گیا۔ مفلوک الحال

عوام کو علمائے کرام اب بھی یہی درس دے رہے ہیں کہ اللہ کی مرضی یہی ہے اور جنت کے دلفریب تصورات میں الجھا کر عوام کی توجہ اصل مسائل کی طرف سے ہٹائی جارہی ہے جبکہ حالات کو بدلنے کے لئے طبقاتی تضادات کو مزید آگے بڑھانے کی ضرورت ہے سندھ کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ سندھودیش قائم ہو اور گنتی کے چند لوگ اس کے وسائل پر قابض ہو کر سندھ کی آبادی کو اپنا غلام بنائے رہیں۔ سندھ کا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کی تہذیب و ثقافت، زبان وادب، سیاست و معیشت کو کس طرح تحفظ دیکر فروغ دیا جائے سندھ کے محنت کشوں اور ہاریوں کی زندگی میں پھیلے ہوئے اندھیروں کو کس طرح دور کیا جائے۔ انہیں فرسودہ توہمات و روایات سے کس طرح چھٹکارہ دلایا جائے تاکہ وہ بھی آج کے ترقی یافتہ دور کی آسائشوں اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوسکیں اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو سندھودیش کی تحریک کے موجودہ خدوخال انکی زندگی کی حقیقتوں کو متاثر نہیں کرتی۔ نجات کا راستہ دوسرا ہے۔ یہ راستہ پرخار اور مشکل ضرور ہے لیکن اس پر چلنا ناممکن نہیں۔

سندھ کی صورت حال کو بدلنے کے لئے جس امر کی اشد ضرورت ہے وہ طبقاتی لڑائی کی ابتدا ہے۔ سندھ تو کیا پورے پاکستان کی فضا اس زاویے سے یکسر بدل سکتی ہے۔ پنجابی بورژوا کے جرم و گناہ کی سزا وہاں کے کسانوں، مزدوروں اور محنت کشوں کو دنیا سراسر ظلم ہوگا اور ہم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے اگر حقیقت پسندی سے جائزہ لیا جائے تو سب سے مظلوم پنجابی پرولتاری نظر آتا ہے۔ جس میں اب یہ شعور بھی باقی نہیں کہ اس کی جان و مال، عزت و آبرو پر قابض بورژوا طبقہ اسے پنجابیت کے سہانے خواب دکھا کر اپنا مقصد پورا کرتا رہا ہے۔ یہی کچھ یہاں سندھ کے ہاریوں کا بھی مقدر رہا۔ مگر پنجاب کا بورژوا طبقہ اپنے پرولتاری پر پوری طرح قابو پاکر اس کے سہارے سے سندھ و دیگر علاقوں پر شب خون

مارتا رہا جبکہ سندھ کا بورژوا طبقہ اپنی پسماندہ سوچ اور قدامت پرست ذہنیت کے حوالے سے یہاں کے پرولتاری طبقات کو اپنے قابو میں رکھنے پر ہی "قانع" رہا۔ پاکستان کے موجودہ حالات میں ترقی پسند جمہوری قوتوں کو کچلنے کا عمل صرف ملک کے بورژوا طبقات، مفاد پرست عناصر اور فوجی حکمران کا انفرادی عمل ہے اور اس کی پشت پر امریکی سامراجی بھرپور طاقت کھڑی ہے پاکستان میں پھیلے ہوئے امریکی گماشتے سامراجی اشاروں پر عوام کی زندگیوں کو جہنم بنائے ہوئے ہیں۔ جب تک سامراج سے نجات حاصل نہیں ہوتی کوئی بھی عوامی تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے گی اور نہ ہی ہم حقیقی معنوں میں جمہوریت کی جنگ جیت سکیں گے۔ اس طرح قومیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی ممکن نہیں ہوگا۔ ہمارے دور کا سب سے اہم مسئلہ سامراج سے نجات کا ہے۔ سامراج کے خلاف بھرپور جدوجہد کے ذریعے نجات حاصل کرنے کے بعد ہی ہم اپنی صفوں کو مزید طاقتور بنا سکیں گے اور ملک میں پھیلے ہوئے سامراجی گماشتوں اجارہ داروں رجعت پرستوں اور ان کے نمائندہ حکمران ٹولے سے چھٹکارہ حاصل کر سکیں گے۔ سامراج کی شکست کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکے گا کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہوں تجزیاتی مطالعہ اور حالات کا تنقیدی جائزہ نجات کا واحد حل یہی قرار دیتا ہے اور اسی کے ذریعے نہ صرف قومیتوں کے حقوق بلکہ عوامی حقوق کا تحفظ بھی ممکن ہوگا۔ اس لئے سراب میں بھٹکنے سے بہتر ہے کہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر منزل کی جانب گامزن ہوا جائے۔

کتابت: نعیم احسن رسول پور

پڙهندڙ نسُل . پَ نَ

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾ عبدالله حسين ” اُداس نسلين“ نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڙِڪَ ”لُڙهندَڙ نَسُل“ نالي ڪتاب لکي پنهنجي دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ ئي لکيو:

انڌي ماءُ ڄڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لُڙهندَڙ، ڪَڙهندڙ، ڪُڙهندڙ، ٻَرندڙ، ڇُرندڙ، ڪِرَندڙ، اوسيئڙو ڪَندَڙُ، ياڙي، ڪاڙُو، پاڇوڪَڙُ، ڪاوڙيل ۽ وِڙَهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سَگهجي ٿو، پَر اسان اِنهن سيني وِچان ”پڙهندڙ“ نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان کڻي ڪمپيوٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ٻين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعنی e-books ناهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌڻ، ويجهَڻ ۽ هِڪَ ٻِئي کي ڳولي سَهڪاري تحريڪ جي رستي تي آڻِڻَ جي آسَ رکون ٿا.

پَڙهندڙ نَسل (پَـنَ) ڪا بہ تنظيمَ ناهي. اُنَ جو ڪـو بـہ صدر، عُهديدار يا پايو وِجهندڙ نہ آهي. جيڪڏهن ڪو بہ شخص اهـڙي دعويٰ ڪري ٿـو تـہ پَڪَ ڄاڻو تـہ اُهو ڪُـوڙو آهي. نـہ ئي وري پَـنَ جي نالي ڪي پئسا گڏ ڪيا ويندا. جيڪـڏهن ڪـو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو بِہ ڪُوڙو آهي.

جَهڙيءَ طَرَح وڻـن جا پَـنَ ساوا، ڳاڙها، نيرا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اَهڙيءَ طرح پَڙهندڙ نَسُل وارا پَـنَ بہ مختَلِف آهـن ۽ هوندا. اُهي ساڳئي ئي وقت اُداس ۽ پڙهندڙ، بَرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وِڙهندڙ ۽ پڙهندڙ بہ ٿي سگهن ٿا. ٻين لفظن ۾ پَنَ ڪا خُصوصي ۽ تالي لڳل ڪِلَب Exclusive Club نہ آهي.

ڪوشش اها هوندي تہ پَـنَ جا سڀ ڪَم ڪار سَهڪاري ۽ رَضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي تہ ڪي ڪم اُجرتي بنيادن تي بہ ٿِين. اهڙي حالت ۾ پَـنَ پاڻ هِڪَٻِئي جي مدد ڪَرڻ جي اُصولَ هيٺ ڏي وَٺُ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پَنَـن پاران ڪتابن ڪي ڊِجيِٽائِيز digitize ڪرڻ جي عَملَ مان ڪو بہ مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نہ ڪئي ويندي.

ڪتابن ڪي ڊِجيِٽائِيز ڪرڻ ڪان پو ٻيو اهم مرحلو وِرهائڻ distribution جو ٿيندو. اِهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو تہ پلي ڪمائي، رُڳو پَنَـن سان اُن جو ڪو بہ لاڳاپو نہ هوندو.

پَنَن کي کُليل اکرن ۾ صلاح ڏجي ٿي تہ هو وَسَ پٽاندڙ وڏِ
کان وَڏِ ڪتاب خريد ڪَري ڪتابن جي ليکڪَن، ڇپائيندڙن ۽
ڇاپيندڙن کي هِمٿائِن. پر ساڳِئي وقت عِلم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ
کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران کَنهن بہ رُڪاوٽَ کي نہ مڃن.

شيخ اَيازَ علمَ، ڄاڻَ، سمجهہَ ۽ ڏاهپَ کي گيتَ، بيتَ، سِٽَ،
پُڪارَ سان تَشبيهہ ڏيندي انهن سيني کي بَمن، گولين ۽ بارودَ
جي مدِ مقابل بيهاريو آهي. اياز چوي ٿو تہ:

گيتَ بہِ ڄڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪَرن ٿا.

... ...

جئن جئن جاڙ وڌي ٿي جَڳَ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ ڇُپن ٿا؛
ريتيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موٽي مَنجهہِ پهاڙ ڇُپن ٿا؛

... ...

ڪالهہَ هُيا جي سُرخ گُلن جيئن، اڄ ڪلهہ نيلا پيلا آهن؛
گيتَ بہِ ڄڻ گوريلا آهن........

... ...

هي بيتُ اَٿي، هي بَم- گولو،
جيڪي بہ کٽين، جيڪي بہ کٽين!
مون لاءِ ٻنهي ۾ فَرَقُ نہ آ، هي بيتُ بہ بَمَ جو ساٿي آ،
جنهن رِڻَ ۾ رات ڪَيا راڙا، تنهن هَڏَ ۽ چَمَ جو ساٿي آ ـ

اِن حسابَ سان اڄ‌ڪلهہ ٽاٽائي کي پاڻَ تي اِهو سوچي مَڙهڻ تہ
”هاڻي ويڙهہ ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نہ
وڃايو“ ناداني‌ءَ جي نشاني آهي.

پَڙهڻ جو پڙهڻ عام ڪِتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نِصابي ڪتابن تائين محدود نہ هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج ۾ سماجي حالتن تان نظر ڪڇي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي پاليسيون policies اڻچاڻن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَڙهَ نِصابي ڪتابن سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پَڙهندڙ نَسُل جا پَڙهَ سيني کي **چو، چالاءِ ۽ ڪيئن** جهڙن سوالن کي هر بَيانَ تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوٺَ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جوابَ ڳولڻ کي نہ رڳو پنهنجو حق، پر فرض ۽ اٽلر گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان بہ پڙهڻَ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي اِن سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا. بَس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏِسو، هر قسم جا ڳاڙها ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون ياڪي پائي چيو تہ "منهنجا ياءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَنَ پَنَ جو پڙلاءُ".
- اياز (ڪلهي پاتم ڪينرو)